انقلابِ ایران
اور اس کی اسلامیت؟
toobaa-elibrary.blogspot.com
ایک سفرِ خیال کی سرگزشت
955
مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

انقلابِ ایران
اور اس کی اسلامیت؟
ایک سفرِ خیال کی سرگزشت
مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی
955
س ن ب
toobaa-elibrary.blogspot.com

اِنقلابِ ایران

اور اس کی اسلامیت؟

ایک سفرِ خیال کی سرگزشت

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

پہلا ایڈیشن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دو ہزار

نام کتاب ۔۔۔۔۔۔ انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت

مصنف ۔۔۔۔۔۔ مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

کتابت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ظہور احمد لکھنوی

طباعت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ناشر ۔۔۔۔۔۔۔ کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

قیمت ۸ روپے

ملنے کا پتہ:۔

الفرقان بک ڈپو۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی۔ لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

فہرست مضامین و ذیلی عنوانات

پیش لفظ — از مصنف — ۵
انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت — ۱۰
اولین مشاہدات اور اُن کا تأثر
عورتوں کا عام ستر و حجاب (۱۱) شراب و قمار کی سرد بازاری — ۱۲
نہ کوئی ادنیٰ نہ اعلیٰ (۱۲) مذہبی شیفتگی کے کچھ خاص مظاہر — ۱۳
شیعی معاشرے میں ایک انوکھی سی بات (۱۳) قائدین کے اسلامی خلوص کی دلیل — ۱۴
اور اب کچھ دوسرے مشاہدات — ۱۶
مشرکانہ رسوم سے انقلاب کی لاپروائی — ۱۷
اصلاح کے بجائے فروغ دیا — ۱۷
امام صاحب کی تصویر پرستی کی انتہا۔ حضرت علیؓ کی تصویر سے بھی بالاتر — ۱۹
اسلامی انقلاب اور اقامت صلوٰۃ ندارد ؟ — ۲۰
اقامت کے بجائے ایک طرح کی اضاعت — ۲۰
ایرانی انقلاب کے بارے میں میرے خیالات کے سفر کی کہانی — ۲۲
اچھا تأثر اور اس کے اسباب — ۲۲
اچھے تأثر پر دباؤ کا دور (۲۳) پہلی دراڑ — ۲۵
بدمزگی میں اضافہ (۲۸) قرآن کی ایک افسوسناک شہادت — ۲۹
جنگ بندی کی انوکھی شرط اور اس کی قرآنی دلیل اور اس کا جائزہ — ۳۱
اصل گفتگو کی طرف رجوع — ۳۳
حج میں ایرانی نعرے بازی کی خبر اور اس کا اثر — ۳۵
ایک دوسرا جھٹکا — ۳۶

سفر ایران (۳۷) متاع سفر ۳۸
بہشت زہرا کا منظر ۳۸
انقلاب مہدی کا حوالہ ۴۰
امام مہدی کے شیعی تصور کو واحد اسلامی تصور بنانے کی کوشش ۴۳
کعبے کو بھی آزاد کرایا جائے گا ۴۴
اس اعلان کے مضمرات ۴۵
تہران ٹائمز کے اداریے کی شہادت ۴۵

انقلاب کے کچھ اور پہلو

۱۔ کمیونسٹ اور سوشلسٹ برادری سے خصوصی ناتہ ۵۱
اشکال کیا ہے ۵۲
حتیٰ کہ امام صاحب کے خطابات ۵۳
یہ طرز عمل کس لیے ۵۶
۲۔ عالم اسلام میں ایران کے دوست ۵۸
۳۔ مستضعفین میں تفریق ۶۰
۴۔ مسئلہ افغانستان ۶۱
۵۔ اسرائیل دشمنی کا نعرہ اور عمل ۶۳
کیا مرگ بر امریکا کی بھی یہی حقیقت ہے ۶۶
مدتوں تک تلافی نہ ہو سکے گی ۶۶

ضمیمہ

امام خمینی کے نام شاہ خالد کا خط ۶۸
شاہ خالد کے نام جناب خمینی کا خط ۷۱
تبصرہ ۷۸

پیش لفظ

(از مصنّف)

ایران میں اسلامی انقلاب کی تحریک بڑی ہی غیر معمولی گھن گرج کے ساتھ ۱۱ر فروری ۱۹۷۹ء کو اپنی کامیابی کی پہلی منزل سے ہمکنار ہوئی۔ یعنی تحریک کے قائد آیت اللہ خمینی صاحب اپنی جلا وطنی کے آخری مقام پیرس سے اُٹھ کر پوری فاتحانہ شان سے تہران میں اُترے اور حکمرانی کی زمام ہاتھ میں لی۔

تحریک سے پوری پوری "تاریخی واقفیت مجھے نہ پہلے تھی نہ اب ہے —— اور افسوس ہے کہ خواہش کے باوجود اس واقفیت کو بہم پہنچانے کی کوئی گنجائش میرے حالات میں مختلف وجوہ سے نہیں۔

تحریک کا عنوان ایران کی سرزمین پر اسلامی شریعت کا نفاذ اور اسلامی طرزِ حیات کا قیام تھا۔ یہ شریعت اور یہ طرز حیات کس قسم کی اسلامی ہوگی ؟ اس میں کوئی شبہ کی بات نہ تھی۔ ایران کی غالب تر مسلم آبادی شیعہ ہے۔ تحریک تمامتر شیعہ علماء ہی کی اُٹھائی ہوئی اور اُنھیں کے ہاتھ میں تھی۔

شیعی عقائد و اعمال سے کیسا ہی اختلاف سہی، مگر جب ایک ایسی شیعہ حکومت کے مقابلے میں جو سرے سے دینی رجحانات ہی کی جڑیں کھود رہی ہو اور ملک کو افکار، اطوار اور اخلاق ہر پہلو سے اُس مغربیت کے سیلاب میں ڈبوئے دے رہی ہو جس نے

پورے عالمِ اسلام کو تباہ کر رکھا ہے، شیعہ مذہب کے ماتحت اسلامی حکمرانی کی تحریک برپا ہو، تو کیونکر ممکن ہے کہ اس تحریک سے دلچسپی اور ہمدردی نہ پیدا ہو؟

۷۸ء میں جب یہ تحریک شاہی حکومت کے ساتھ کھلے اور بھرپور ٹکراؤ کے مرحلے میں داخل ہوئی اور دنیا بھر کے اخبارات اور نشریات میں اس کی خبریں جگہ پانے لگیں تو مذکورہ بالا نقطۂ نظر سے اس کے ساتھ دلچسپی بھی پیدا ہوئی اور ہمدردی بھی اور اس کی کامیابی کی خبر سے مسرت بھی۔

میرا قیام کچھ عرصے سے لندن میں ہے۔ یہاں کے قیام کی وجہ سے یہ بات پہلے ہی دن سے اور اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ سامنے آئی کہ مغرب کو ایران کی یہ تبدیلی سخت ناگوار گزری ہے۔ اور یہ بالکل قدرتی بات تھی۔ تحریک کا منفی رُخ تھا ہی مغربیت کے خلاف۔ اور نہ صرف افکار و اطوار کی مغربیت کے خلاف، بلکہ اُس سیاسی مغربیت کے خلاف بھی جس نے ایران کو مغرب کے عالمی مفادات اور منصوبوں کی خدمت گزاری کا ایک نہایت اہم مرکز بنا ڈالا تھا۔ اس کے علاوہ پندرھویں صدی ہجری کی آمد آمد کے ساتھ مسلم دنیا میں جو ایک افسوں کسی سامری نے پھونکا تھا کہ اب اسلام کا دور آتا ہے۔ اور اس نے ایک عجب سرفروشی کا عالم ملک ملک طاری کر دیا تھا۔ اِس سے اسلام کی ازلی عداوت و رقابت کے سبب مغربی دنیا کے کان کھڑے ہی ہوئے تھے کہ یہ ایک زبردست "اسلامی دھماکہ" اور جو کچھ نہ کر گیا ہو کم ہے۔

بہرحال مغرب نے اپنے وسائل نشر و اشاعت کی پوری قوت کے ساتھ اس انقلاب ایران کو نشانہ بنایا۔ اس نشانہ بازی میں ایک تو شاہ پرستوں اور دوسرے مخالفین انقلاب کی پکڑ دھکڑ، سزاؤں اور عدالتی کارروائیوں کے واقعات آتے تھے اور دوسرے اسلامی قانون و شریعت کی وہ دفعات جن کو مغرب نے ہمیشہ اسلام کے خلاف نفرت پھیلانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ یعنی خواتین کے لیے ستر و حجاب اور حیاداری کے احکام و آداب، اختلاط کی ممانعت، بدکاری کی عبرت ناک سزائیں۔ اور تعددِ ازدواج وغیرہ۔

مغرب کے اس شور و شغب پر خمینی صاحب کے جو جوابات پڑھنے میں آتے تھے، اُن سبھی میں اعتراضات و الزامات کے لیے ایسی تحقیر اور بے اعتنائی نظر آتی تھی کہ اعتراض کرنے والے اپنا منہ پیٹ کر رہ جائیں اور خاص کر اسلامی احکام و آداب کے معاملے میں تو اس تحقیر کے ساتھ، وہ اذعان و افتخار بھی ٹپکتا تھا کہ اعتراضات کے ایسے ہوش ربا ماحول میں اس کو جتنی بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا زیادہ نہ تھا۔

اسلامی احکام کے لیے یہ پُر افتخار اور اعتراضات کے لیے پُر احتقار رویہ کم از کم مغرب میں بسنے یا پڑھنے والے نوجوانوں کے لیے سو دلیلوں اور تقریروں سے بڑھ کر اسلامی شریعت میں اعتماد اور اعتراضات کے مقابلے میں نفسیاتی حصار دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ مثلاً تعدد ازدواج کی بات اُٹھی تو بس چند لفظوں میں اس کا جواب دیکھنے میں آیا کہ "معاشرے کی پاکیزگی کے لیے اس سے بہتر کوئی بات نہیں سوچی جا سکتی۔" انفرادی معاملات کی آزادی جس میں ہر قسم کے ناجائز اختلاط مرد و زن کی آزادی بھی مغرب میں شامل ہے اس کی بات اُٹھائی گئی تو بصد احتقار جواب ملا کہ "مادر پدر آزادی کسی انسانی معاشرے کے لیے عزت و شرف نہیں ہو سکتی۔" انقلابی تحریک کے نتیجہ میں ایران کی اقتصادی زندگی جو قلت اشیاء سے دوچار ہوئی اور مغرب نے دہائی دی کہ لوگ بھوکے مرے جا رہے ہیں تو پلٹ کر آواز آئی کہ ایران کے عوام نے روٹی کے لیے انقلاب نہیں برپا کیا تھا، جس سے بلند ہو کر مغرب والے سوچ نہیں سکتے، یہ انقلاب اولاً ایمان اور اخلاقی قدروں کے لیے تھا اور ایرانی عوام اسکی قیمت خوشی سے برداشت کریں گے۔"

"مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی بات تو بہت سنی تھی۔ مگر واقعی معنیٰ میں ایسا کرتا ہوا یہ ایک ہی آدمی نظر آیا۔ اس لیے شیعیت اور سنّیت کے فرق کے باوجود اس قلندری کی قدر نہ کرنا اپنے بس کی بات نہیں تھی!

پھر شیعیت اور سنّیت کے اختلاف پر اُس کا جو موقف سامنے آ رہا تھا وہ اپنی جگہ الگ قابل قدر ہی تھا جو یہ تھا کہ ہم آپس میں نہ لڑیں جس کا کوئی حاصل نہیں۔ بلکہ اپنے اپنے اسلامی نظریے کے مطابق اُن دشمنِ اسلام طاقتوں کے خلاف نبرد آزما ہوں جنھوں نے شیعہ

اسلام اور سنی اسلام دونوں کو تباہ کر رکھا ہے۔

اور یہ کوئی ایک دم سامنے آنے والی بات نہ تھی بلکہ ایک عرصہ سے ایران میں اس انداز فکر کی نشو و نما سننے میں آ رہی تھی۔ جو اس قول کو مزید قابل اعتبار بنا دینے والی چیز تھی۔ ہمارے مخدوم و محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے ۱۹۷۳ء میں رابطہ عالم اسلامی کے ایک وفد کے ساتھ کچھ دوسرے اسلامی ممالک کے ضمن میں ایران کا بھی دورہ کیا تھا۔ ان کے سفر نامے "دریائے یرموک سے دریائے کابل تک" میں ایران کی روداد سفر سے بھی یہی شہادت ملتی ہے جو ایک وقیع شہادت تھی۔

لیکن ذہن کی اس ساخت کے ساتھ ساتھ کہ قابل تعریف اور قابل قدر بات جہاں بھی نظر آئے اُس کی تعریف اور قدر میں کوئی دوسرا بُعد و اختلاف حائل نہ ہو سکے، ایک دوسری چیز بھی ایک عرصۂ دراز سے اصول کے طور پر ذہن میں اس مضبوطی سے پیوست ہو چکی ہے کہ اپنے کام میں وہ بھی ذہن کی کسی قدرتی ساخت سے پیچھے نہیں رہتی۔ اور وہ یہ ہے کہ جس آدمی کو خوب اچھی طرح جانتے نہ ہو اُس کے بارے میں ایک ذہنی تحفظ کو اس وقت تک ہاتھ سے نہ دو جب تک وہ خوب جانا پہچانا اور مکمل اعتماد کا مستحق فی الواقع نہ ہو جائے۔

یہ اصول جو پہلے پہل آج سے کوئی بیس برس پہلے اجتماعیات کے ایک مختصر سے تجربے کے دوران ذہن کی گرہ میں باندھا تھا، اپنی نظر میں برابر زیادہ ہی قیمتی اور ناگزیر ہوتا چلا گیا۔ اسی اصول کے ماتحت خمینی صاحب اور اُن کی تحریک انقلاب کے لیے ان نہایت اچھے تأثرات کے ساتھ ساتھ ایک آنکھ برابر کسی مختلف قسم کی بات کو نوٹ کرنے کے لیے بھی کھلی رہی۔ اور افسوس ہے کہ اس آنکھ کے سامنے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایسی چیزیں آنا شروع ہو گئیں اور آتی ہی چلی گئیں جن سے خمینی صاحب اور اُن کے انقلاب کی تصویر شروع کے اعلے تصوّر سے بہت مختلف ہوتی چلی گئی۔

اس تصوّر اور تصویر ہی کی وہ کہانی ہے جو آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

اور کیوں اس کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی اس کا بھی ذکر آپ انہی صفحات میں دیکھ لیں گے۔

یہ کہانی اولاً ماہنامہ الفرقان (لکھنؤ) بابت مارچ، اپریل ۸۳ء میں چھپ چکی ہے اور اب ایک نظرِ ثانی کے بعد اس کتابی شکل میں آ رہی ہے۔
یہ ضرور خیال رہے کہ یہ محض اپنے خیالات و تأثرات کے ایک سفر کی کہانی ہے کوئی فیصلہ ایرانی انقلاب کے بارے میں صادر کرنا اس کا مقصود نہیں۔ بلکہ صرف اپنے خیالات اور ان کی بنیادوں کا اظہار کر دینا مقصود ہے جس سے دوسرے لوگوں کو بھی (جو دلچسپی رکھتے ہوں) اس مسئلہ پر غور و فکر میں مدد مل سکتی ہے۔

عتیق الرحمٰن سنبھلی

لندن ۲۵ مئی ۸۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس فروری (۱۹۸۲ء) میں ایک سال ہو گیا کہ سرزمین "انقلاب اسلامی" ایران پر قدم رکھنے کا موقع ملا تھا۔ اور بارہ دن مہمان انقلاب کی حیثیت سے وہاں قیام رہا — یہ انقلاب کی تیسری سالگرہ کا موقع تھا۔

سفر سے واپس آکر ایک خط کچھ سرسری مشاہدات و تأثرات کا حامل اپنے ایک بھائی کو لکھنؤ لکھا تھا، جو ادارۂ قومی آواز (لکھنؤ) کے ایک رکن کی دلچسپی کی بدولت قومی آواز میں شائع بھی ہو گیا۔ اس خط میں عام اشاعت کے قابل لحاظ پہلوؤں کی رعایت پیش نظر ہونے کا سوال نہ تھا اور ایک دو جملے جو اس لحاظ سے مفید ہوتے نہ معلوم کیونکر حذف بھی ہو گئے۔ اس لیے اس سے کچھ ایسا تأثر بھی میری رائے کے بارے میں پیدا ہوا جو اصل واقعہ سے مختلف تھا۔ اسی بنا پر سوچا تھا کہ ایک تفصیلی مضمون اب لکھنا ہو گا۔ اور یہ بات قومی آواز کو لکھ کر بھی بھیجدی تھی جو مراسلات کے کالم میں شائع ہوئی۔ مگر مختلف وجوہ سے اس ضرورت کو پورا کرنے کی نوبت نہ آسکی! اب فروری کا مہینہ اس سال سامنے آنے لگا تو اس گئی گزری بات کی یاد تازہ ہو گئی۔ اور قلم آمادہ ہوا کہ یہ قرضہ اُتار دیا جائے۔ ذیل کی سطروں میں یہی پیش نظر ہے۔ اور چونکہ ایک سال کے عرصے میں اور بہت کچھ سامنے آگیا ہے اس لیے یہ مضمون اب سال گزشتہ کے مشاہدات و تأثرات تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ اس کے بعد سے جو کچھ مزید سامنے آیا ہے اُس پر بھی تبصرہ ہو گا۔ اور سال گزشتہ کی جن باتوں کا ذکر اب غیر ضروری ہو گا وہ کم بھی ہو جائیں گی۔

اولین مشاہدات اور ان کا تأثر

میرے مشاہداتِ سفر کا اولین تاثر یہ تھا کہ انقلاب، ایران کی عام زندگی کے نمایاں اور اُن ظاہر و باہر پہلوؤں کے اعتبار سے جو ایک مسافر کے سامنے بھی آتے ہیں، واقعی پوری طرح ایک اسلامی انقلاب کا تأثر دینے والا ہے۔

عورتوں کا عام ستر و حجاب

اس کی اسلامیت کا جو پہلو سب سے زیادہ پکڑ لینے والا تھا، وہ عورتوں کی چادر پوشی تھی۔ ایران میں عورتوں کی چادر کو سمجھنے کے لیے اپنے یہاں کا وہ برقعہ ذہن میں لانا ہوگا جو آجکل کے دو جزوی (یا دومنزلہ) برقعے سے پہلے اکہری شکل میں رائج تھا۔ اُس برقعہ میں اور ایرانی چادر میں بس یہ فرق ہے کہ یہ اُس سے بہت زیادہ ڈھیلی ڈھالی اور نیچی ہوتی ہے۔ اور اُس میں جو بخیہ کاری سے سر پر ٹوپی سی بن جاتی تھی، چادر اس سے خالی ہے، جیسا کہ چادر کا مفہوم ہے۔ اور دوسرے اُس میں منھ پر نقاب ہوتی تھی چادر میں وہ نہیں ہے۔ یہ اُس کے استعمال کرنے والی پر موقوف ہے کہ اُسے منھ پر بھی اس طرح لپیٹ لے کہ صرف آنکھ ناک اور پیشانی کھلی رہے، اور یا پورا چہرہ کھلا رہنے دے۔

یہ ایرانی چادر پہلی مرتبہ حرمین کی حاضری (۱۹۶۲ء) میں دیکھی تھی۔ اور سچ یہ ہے کہ آنکھوں میں گھر کر گئی تھی، کیونکہ ایک طرف تو اس کے طول و عرض میں صحیح معنیٰ کی پردہ پوشی اور باوقاری تھی اور دوسری طرف ہزارہا ایرانی خواتین میں سے کوئی خاتون اُس کے بغیر وہاں نظر نہ آتی تھی —— لیکن اس مشاہدے کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ یہ چادر ایران کے ترقی یافتہ شہروں کا عام رواج نہیں ہے بلکہ تہران جیسے شہروں میں تو پردہ داری سے یکسر آزاد خالص یورپین لباس اور وضع قطع کا راج ہے۔ لیکن دل باغ باغ ہوگیا جب تہران کے کوچہ و بازار میں بھی اسی چادر کی عملداری دیکھی۔ یہ بلاشبہ اس انقلاب ہی کی دین تھی، چادروں کے اندر چہرے زیادہ تر کھلے ہی ہوئے تھے۔ مگر بالکل سادہ و

حیاء دار اور غازہ و لپ اسٹک سے بے نیاز۔ خال خال کہیں عورتیں صرف لمبے کوٹ میں نظر آئیں اور ان کی بھی پنڈلیوں پر لمبے موزے جن کے متعلق یہ بھی سمجھا جاسکتا تھا کہ شاید ایرانی نہوں۔

شراب و قمار کی سرد بازاری

شراب خانوں اور جوئے خانوں کی قسم کی کوئی چیز کہیں نظر نہ پڑی، سنیما ہاؤس البتہ نظر آئے مگر اُن کے سامنے کہیں اور کسی وقت بھی شائقین کے ہجوم اور قطاریں نظر نہ آئیں۔ گویا بازار سرد تھا۔

نہ کوئی ادنیٰ نہ اعلیٰ

شاہی اور وہ بھی رضا شاہ کی "شہنشاہی" اس میں اعلیٰ اور ادنیٰ غریب و امیر کی جو تفریق عام رہی ہوگی وہ ظاہر ہے۔ مگر اب کہیں یہ تفریق و امتیاز دیکھنے میں نہیں آیا علماء کے خاص لباس عبا اور عمامہ کے سوا پاسداران (نیشنل گارڈز) سے لیکر کسی بڑے سے بڑے عہدے اور درجے والے آدمی کے لباس اور وضع نیز باہمی معاملت میں کوئی ایسا فرق نظر نہ آیا جو دونوں کو الگ کرتا اور کسی امتیاز کا پتہ دیتا۔

مہمان خانہ بزرگ استقلال (کبھی کا ہلٹن ہوٹل) جس میں ہم لوگوں کا قیام تھا، وہاں جو اشخاص صدر گیٹ پر آمد و رفت کے محتسب اعلیٰ تھے۔ اُن میں ایک بہت ہی سادہ اور خلیق برادر...... [1] جو سائنس کے گریجویٹ تھے۔ اُن سے ایک دن میرے رفیق سفر اور رفیق کمرہ اصغر علی عابدی صاحب (سابق ایڈیٹر دعوت (ہند) نے انٹرویو کیا، تو انقلاب کی لائی ہوئی چیزوں میں جہاں اعلیٰ اور ادنیٰ کی تفریق کے خاتمے کی بطور خاص نشاندہی اُنھوں نے کی، وہاں دوسری مجھے یاد رہ جانے والی چیز امام خمینی کی یہ مہم تھی کہ شادیاں نہایت سادہ، سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے انداز پر کی جائیں۔ اور شادیوں کی گرانباری کے سبب سے جو غریب لڑکیاں عمر چڑھی بیٹھی رہتی ہیں یہ لعنت یکسر ختم کی جائے چنانچہ اُن کے بقول اس قدر کثرت سے اس ہدایت پر عمل ہوا اور ہو رہا ہے کہ شادی اب کوئی بڑا مسئلہ

---

[1] نام اب یاد نہیں آرہا ہے۔

نہیں رہی۔

مذہبی شیفتگی کے کچھ خاص مظاہر

عوام اور خاص کر نوجوانوں میں اسلام سے شیفتگی کا جو اندازہ انقلاب سے پہلے تحریک کے مرحلے کی خبروں میں تحریک کے نعروں اور شعاروں اور ان نعروں پر جاں سپاریوں کی حیرت ناک خبروں سے ہوتا رہا تھا۔ وہی شیفتگی انہی مظاہر کی روح کے ساتھ اس وقت بھی دیکھنے میں آئی۔ راگ و نغمے کی اُلفت جو انسان کی جذباتی زندگی کا ایک حد تک جزو اور ایرانی مزاج کی تو خصوصیت بھی ہے۔ اور جیسے جدید جاہلیت کے عروج نے ساری دنیا بشمول مسلم دنیا، میں جائز و ناجائز سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس فطری الفت کی تسکین اور اس کے ذریعہ جذباتی جوش کی سطح برقرار رکھنے کے لیے یہاں اسلامی بلکہ خالص دینی شعارات کو نغمات کی لے میں ڈھال لیا گیا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ نصر عبدہٗ انجز وعدہٗ، جیسے کلمات نبوی کو سادہ جذباتی لے میں آواز سے آواز ملا کر پڑھا جاتا ہے۔ اس طرح کے بیسیوں ملفوظات نبوی اور ان کے رنگ میں خود اپنے بنائے ہوئے شعاروں اور ترانوں کو زبانیں کبھی بیک آواز دہراتی ہیں اور ان کے کیسٹ بھی تیار کر لیے گئے ہیں۔ یہی کیسٹ بے ریکارڈروں کے ذریعہ بسوں اور کاروں اور ٹیکسیوں میں بجتے ہیں۔ اسی طرح قرأت قرآن کے ریکارڈ بھی عام ہیں۔ اور اس کی بدولت آج کے ایران کی سرزمین اسلامی نعروں، دینی ترانوں اور قرآن کے نغموں سے گونج رہی ہے۔

شیعی معاشرے میں ایک انوکھی سی بات

ایک اور اسی زمرے کی چیز جو اپنی معلومات میں بالکلیہ اضافہ کا درجہ رکھتی ہے، وہ یہ دیکھنے میں آئی کہ قرآن پاک اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بظاہر جو بہترین تعلق کسی مسلمان قوم کو ہوسکتا ہے وہ ایرانی قوم کو ہے۔ یہ تأثر ایک حد تک تحریک انقلاب کے دوران اور اُس کے بعد کے حالات کی خبروں سے بھی تھا۔ مگر ہم اب تک جس شیعیت سے آشنا تھے اُس کے اثر سے یہ بات ذہن میں نہ آتی تھی کہ اہل بیت اور ائمہ اطہار اور اُن کے اقوال و ارشادات کے مقابلے

میں قرآن پاک اور آنحضرتؐ کی ذات گرامی سے تعلق کا پلّہ بھاری ہو گا۔ لیکن بارہ دن کے قیام میں وہاں جو کچھ دیکھا اُس کے بعد اس جدید تاثر کے بارے میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نظر نہیں آتی[۱]۔ عوام اور خاص کر نوجوانوں کی زبانوں پر جاری نعروں اور ترانوں، شعاروں کا ذکر ابھی آ چکا ہے علما، اور قائدین وخطبا، کی جتنی تقریریں اور خطبے سنے ان میں ائمہ کرام اور اہل بیت کے اقوال وارشادات کے حوالے بہت کم اور قرآن وحدیث کے بہت وافر تھے۔ امام خمینی کے خطابِ خاص میں شریک ہوئے۔ صدر جمہوریہ حجۃ الاسلام علی خامنئی کی ملاقاتی تقریر سنی۔ پارلیمنٹ کے اسپیکر حجۃ الاسلام ہاشمی رفسنجانی اور ایک دوسرے عالم کا خطبۂ جمعہ سنا، اس کے علاوہ اور کبھی کئی ایسے مواقع ہوئے، جہاں تک یاد ہے سب جگہ یہی حال تھا۔ ایرانی علما، کا عربی سے لگاؤ اور عربی میں تقریر و بیان پر ان کی قدرت یہ بھی معلومات میں ایک اضافہ تھا۔

قائدین کے اسلامی خلوص کی ایک دلیل

اسلام کے ساتھ قائدین انقلاب کے واقعی خلوص کا تاثر پہلے بھی تھا[۲]۔ مگر یہاں آکر ایک وہ بات دیکھی جو اس تاثر میں کسی خلل اور شبہہ کا راستہ بند کرتی ہے۔ یوں دلوں کا حال اور آگے کے معاملات اللہ ہی جانے۔ یہاں تقریروں اور بیانات وخطبات کے علاوہ دیکھا کہ قوم کی اسلامی تعلیم وتربیت کے لیے تہران کے در و دیوار کو مکاتب و مدارس کے تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ) میں بدل دیا گیا ہے۔ یہاں اس کی وضاحت اپنے الفاظ میں کرنے کے بجائے روزنامہ جنگ کراچی کے شعبۂ ادارت کے رکن جناب محمد خالد فاروقی کے الفاظ مستعار لینا اچھا لگ رہا ہے، جو اس موقع پر تہران آئے تھے اور واپسی پر انھوں نے جنگ میں اپنے تأثرات ومشاہدات قلم بند کیے تھے۔ انھوں نے لکھا:۔

---

[۱] شیعہ مذہب کی کتابوں سے قرآن پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز ائمہ کے درجے کے بارے میں جو بات سامنے آتی ہے وہ ایک الگ بات ہے، یہاں صرف ایرانی قوم کے اس ظاہری حال سے بحث ہے جو سامنے آیا۔

[۲] یعنی وہ اسلام جسے شیعہ حضرات اسلام سمجھتے ہیں۔

"تہران میں قیام کے دوران ہم جس سڑک اور گلی سے گزرے ہیں دیواروں پر قائد انقلاب امام خمینی اور دوسرے ممتاز رہنماؤں کے اقوال اور مقبول نعرے لکھے ہوئے دکھائی دیے۔ یہی حال دفتروں، کارخانوں اور درسگاہوں کا تھا۔ دوکانوں اور مکانوں کی دیواروں کا شاید ہی کوئی حصہ ہو جو ان اقوال سے خالی رہ گیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تہران انقلاب کی درسگاہ ہے اور اس کی دیواریں کتاب انقلاب کے صفحات بنی ہوئی ہیں۔ ایک سیاح اگر تہران کی سڑکوں پر نہایت خاموشی سے گزر جائے اور کسی ایرانی سے کچھ نہ پوچھے تب بھی وہ تہران کی منہ بولتی دیواروں سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایرانی عوام نے کس طرح کا انقلاب برپا کیا ہے۔ مختلف شعبوں کے بارے میں اسلامی ایران کی پالیسی کیا ہے۔ ملت ایران کیا پسند کرتی ہے اور کیا ناپسند کرتی ہے اور اُسکے آئندہ عزائم کیا ہیں، اسکی کن طاقتوں سے لڑائی اور کن سے دوستی ہے۔ شاید ہی دنیا کے کسی انقلاب کے دوران دیواروں کو اتنے بڑے پیمانے پر استعمال کیا گیا ہو۔"

ان الفاظ پر بس اتنا اضافہ کرنے سے میرا مدعا پورا ہو جائے گا کہ اس عوامی تعلیم و تربیت کی انوکھی اور چپہ چپہ پر "کھلی کتاب" میں نہ صرف یہ کہ کوئی بات ایسی نظر نہیں پڑی جو اسلام کے نعرے کے ساتھ بے جوڑ ہو، بلکہ انقلاب کی حفاظت سکھانے والی ہدایات اور اس سلسلے میں جوش اور احساس ذمہ داری کو زندہ رکھنے والے اقوال کے علاوہ اس "کتاب" کے "صفحات" کا غالب حصہ کسی نہ کسی پہلو سے ایسی ہی ہدایات اور تعلیمات پر مشتمل نظر آیا جن سے دل و دماغ کو بڑی حد تک اسلام کی جامع تربیت حاصل ہو۔ اور عوام سمجھ لیں کہ اسلام اور "اسلامی انقلاب" کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟ گو اس تربیت میں کہیں کہیں انقلابی بے اعتدالی بھی نظر آتی تھی[1]

---

[1] اور اسلام کے شیعی تصور کی بات تو بہرحال ملحوظ رہنی ہی چاہیئے۔

جن لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اُن کے بارے میں یہ خیال کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ ان کے مذہبی اور دینی خلوص کے اظہار میں کوئی کھوٹ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہے تو انھوں نے یہ سب کر کے اپنے لیے کوئی ایسا راستہ نہیں چھوڑا ہے جس سے وہ دین کے برخلاف کچھ کرنے کو جا سکیں۔ اور ایسی نادانی کی توقع ایسے لوگوں سے نہیں کی جا سکتی جو اپنی زیرکی اور پختہ کاری کا لوہا دوست دشمن ہر ایک سے منوا چکے ہیں۔

قائدین کے اس خلوص پر اعتماد ہی کا یہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، یا کہیے دست و بازو ہیں۔ وہ اگر نوعمر و نوجوان ہیں تو ایسے جوش وجذبہ سے سرشار کہ آسمان کے ستارے توڑ لائیں گے اور بقولِ اقبال اُس "عقابی روح" کا پیکر جسے اپنی منزل آسمانوں سے کہیں نیچے نظر نہیں آتی۔ اور اس کا بڑا کھلا ہوا ثبوت عراق کے ساتھ جنگ ہے کہ اس جنگ کے ابتدائی دنوں میں فوجی لحاظ سے دوالیہ اور اندر کے مخالفین سے دوچار ہونے کی وجہ سے شکستوں پر شکستیں کھائیں مگر حوصلہ ہارنے کی بات کہیں اوپر سے نیچے تک نہیں پیدا ہوئی۔ اور تقریباً دو سال تک حالت شکست کو جھیلتے رہ کر دشمن کو حوصلہ ہارنے پر مجبور کر دیا۔ اور پھر جو پہیہ اُلٹ کر چلنا شروع ہوا تو چند ماہ کے اندر خود ایرانی عراق کی سرحدوں پر جا کھڑے ہوئے ہیں اور عراق سراپا مدافعت بنا ہوا ہے۔

اور اب کچھ دوسرے مشاہدات

یہ مشاہدات و تأثرات کے وہ پہلو تھے جن سے دور کے اندازوں کی بھرپور تصدیق ہوئی اور دل خوش ہوا۔ مگر ان کے پہلو بہ پہلو کچھ وہ نئے رُخ بھی سامنے آئے اور ان میں بعض اور زیادہ کھلتے جا رہے ہیں، جن سے ساری خوشی پر اوس پڑ گئی۔

مشرکانہ رسوم سے انقلاب کی لاپروائی

اسلام کا نعرہ اور ساری اسلامی دنیا کو ٹھیٹھ اور مکمل اسلام پر کھڑے ہوجانے کی پکار، مگر اسلام کی پہلی اساس توحید کا جو حشر عوامی خرافات میں صدیوں سے چلا آرہا تھا اُس کی اصلاح، بلکہ موزوں تر الفاظ میں اس کے معاملہ میں انقلاب کی کوئی فکر اور حرکت دیکھنے میں نہیں آئی۔ ایران اور ایرانی انقلاب کے مرکز دینی "قم" جانے کا ہم لوگوں کو موقع ملا۔ وہاں امام علی رضا (مدفونِ مشہد) کی بہن سیدہ معصومہ کا مقبرہ ہے۔ کیا عظمتِ شان اس مقبرہ کی ہے، کچھ نہ پوچھئے اور اس میں اس وقت اور تعمیری اضافہ ہورہا تھا۔ اس مقبرے میں جس کے اندر مسجد بھی ہے اکابر علماء و مشائخ کی معیت میں ہم مہمان گئے اور وہ تمام مشرکانہ رسوم ہوتی ہوئی دیکھیں کہ وحشت سے دم گھٹنے لگا۔

اگر اور کچھ نہیں تو نوٹوں کے چڑھاوے کی رسم تو پہلے ہی ہاتھ پر روکی جاسکتی تھی۔ کہ ایسی اصلاحات کے لیے ایک ہمہ گیر انقلابی تحریک میں نہایت آسانی سے اتر کر جانے کی طاقت ہے۔ مگر وہاں انقلاب کے تین سال بعد بھی نوٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

جنگ زدہ علاقوں پر نظر کے لیے ہم لوگوں کا ایک پروگرام ہوا تھا۔ جو فوجی جہاز سے سفر کی بنا پر اور بعض دیگر پہلوؤں سے بھی قدرے تفصیل سے قابل ذکر ہے۔ مگر یہ گفتگو اُس کا محل نہیں۔ بس یہ ذکر کرنا ہے کہ ان علاقوں میں شہر شوشؔ بھی جانا ہوا ہے۔ یہاں ایک خاص چیز حضرت دانیالؑ پیغمبر کی قبر بتائی گئی۔ ہم لوگ مقبرہ کے اندر قبر پر گئے تو پیغمبر کی قبر کے ساتھ بھی یہی نوٹوں کے چڑھاوے کی لعنت پائی۔ اگر یہ واقعی ایک پیغمبر کی قبر ہے تو بس اُسی کی رُوح جانتی ہوگی کہ ان چڑھاووں سے اُس پر کیا گزر رہی ہوگی۔

اصلاح کے بجائے فروغ دہی

اس خرافاتی اور مشرکانہ عوامی مزاج کی اصلاح تو ایک طرف رہی۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسے کچھ اور غذا ہی بہم پہنچائی جارہی ہے، چاہے اس ارادے

کے ساتھ نہو۔ میرا اشارہ امام خمینی کے ساتھ شخصیت پرستی کی اس فروغ دہی کی طرف ہے، جسے شیعہ ذہن کی شخصیت پرستی کو نظر میں رکھتے ہوئے بھی، اسلامی عقائد اور تعلیمات کے ساتھ جوڑنا مشکل ہے۔

شیعیت کی ابتدا، سیدنا حضرت علیؓ کے ساتھ ایک طرح کی شخصیت پرستی ہی کے معاملے سے ہوتی ہے۔ اور یہ بات صاف ہے کہ امام خمینی اور ان کے پیرو شیعہ ہیں۔ اور ان کے اسلامی انقلاب کا تصور کم از کم ایران کی حد تک "شیعہ اسلام" ہی کے تصوّر پر مبنی ہونا چاہیے۔ مگر جس طرح نعرۂ تکبیر کے جواب میں "اللہ اکبر" کے ساتھ "خمینی رہبر" کا جوڑ لازم بنا ہوا ہے۔ اُن کی تصویر (فوٹو) سے لگاؤ جس طرح "اسلامی انقلاب" سے وفاداری کا ہم معنی بنا ہوا ہے۔ یہ بات شیعہ تصور اسلام کو بھی قبول کر کے اسلام کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتی۔ اس احساس کو بیان نہ کرنا دیانت داری کے خلاف ہوگا کہ جس طرح اللہ کا نقش توحید، میرے مشاہدے اور تاثر کے مطابق دلوں میں اُتارا جا رہا ہے یعنی نعرۂ اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ کی گرم بازاری اور ہر تقریر و تحریر میں یہ تلقین و تفہیم کہ اللہ ہی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے ساری دنیا مل کر بھی اسلامی انقلاب کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ بالکل اسی طرح امام صاحب کی رہبری اور اُس کی وحدانیت دل و دماغ میں بٹھائی جا رہی ہے۔

"امام" کا منصب شیعہ عقیدے کی رو سے "رہبر معصوم" کا منصب ہے۔ لہذا اُس کے ساتھ ایسا معاملہ سمجھ میں آسکتا ہے۔ مگر امام صاحب کا نہ اپنا نہ ان کے لیے دوسروں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ بایں معنیٰ امام ہیں۔ بلکہ اس معنیٰ میں جو امام ابھی تک غائب ہیں ——— بارھویں امام، امام مہدی ——— امام صاحب کو اُن کی نیابت کا منصب ولایت[1] فقیہ کے فلسفے کے ماتحت دیا گیا ہے۔ جس کی رو سے اُنھیں سربراہی حکومت کے اختیارات تو حاصل ہوتے ہیں مگر مقام معصومیت نہیں ——— پھر یہ بات کیسے چل رہی اور چلائی

[1] واضح رہے کہ امام خمینی ہی کے درجے کے بعض شیعہ علماء ولایت فقیہ کے اس فلسفے کو قبول نہیں کرتے ہیں جس کے ماتحت خمینی صاحب نے امام غائب کے اختیارات حاصل کر لیے ہیں۔

جارہی ہے؟ یہ بالکل سمجھ میں نہ آسکا! اور اگر کسی درجہ کی معصومیت بھی اس نیا بت کے ضمن میں حاصل ہو جاتی ہے تب بھی یہ تصویری پرستش "بُت شکنی خمینی" کے شعار کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتی ــــــ شاہ کا زندہ بُت گرانے اور پھر اُس کے اور اُس کے باپ دادا کے مجسمے توڑے جانے پر امام صاحب کو "بُت شکن" کا خطاب دیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ امام صاحب کے تصویری بُت بنائے اور عام کیے جائیں۔ یہ قیامت کی بوالعجبی ہے! اور اس سے اور بڑھ کر یہ کہ "بت شکنی خمینی" کا جو شعار ابھی نقل کیا گیا وہ میں نے کسی دیواری نقش یا کتبے سے دیکھ کر اپنی یادداشت میں نوٹ کیا تھا۔ یہ دراصل پورے شعار کا دوسرا حصہ ہے۔ پورا شعار یوں ہے "روحِ منی خمینی۔ بت شکنی خمینی" جو بات دوسرے حصے میں کہی جارہی ہے اُس کی روح کے بالکل ہی خلاف پہلا حصہ جارہا ہے۔ بالفاظ دیگر پہلے امام صاحب کو خود اپنے دل و روح کا بُت بنا یا گیا اور پھر اُسی سانس میں اُن کی تعریف "بت شکنی" سے کی گئی۔ یا للعجب! یہ کیا تماشہ ہے؟

امام صاحب کی تصویر پرستی کی انتہا

امام صاحب کی تصویر پرستی کی بات یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ ۵ رفروری کو پہلا جمعہ پڑھنے کے لیے جب ہم تہران یونیورسٹی کے میدان میں گئے، جہاں شہر کا جمعہ ہوتا ہے (اور موجودہ صدر جمہوریہ علی خامنئی یہیں کے امام جمعہ تھے) تو یہ دیکھ کر آنکھیں کھٹی رہ گئیں کہ میدان جمعہ کے روسٹرم (منصّۂ خطاب) کی پچھلی دیوار پر امام صاحب کی بہت بڑی تصویر آویزاں ہے۔ اور پھر اسی پس منظر میں اُس دن کے خطیب جمعہ (جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا) خطبہ دینے کے لیے آکر کھڑے ہوئے۔ اور ہم کان خطبہ پر لگا کر اُنہی کھٹی ہوئی نگاہوں سے خطیب کے ساتھ ساتھ امام صاحب کی تصویر اُن کے پس منظر میں دیکھتے رہے۔

حضرت علیؓ کی تصویر سے بھی بالاتر

امام صاحب کی تصویر پرستی اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ اس میں خود شیعی نظر سے بھی ایک جو بڑی حیرت ناک بات پیدا ہو چکی ہے وہ بھی لوگوں کو چونکانے سے قاصر ہے اور وہ یہ کہ حضرت علیؓ کی خیالی تصویریں کہیں کہیں ملتی ہیں۔ خاص کر ہم نے بسوں میں آگے پیچھے

لگی دیکھیں۔ جیسے ہندوستان میں کرشن جی اور گرو نانک جی وغیرہ کی تصویریں بعض ہندو اور سکھ ڈرائیوروں کی بسوں میں ملا کرتی ہیں تو یہ حضرت علیؓ کی تصویریں بھی امام صاحب کی تصویروں کے آگے بالکل دب کر اور قطعاً بے وقعت ہو کر رہ گئی ہیں۔ امام صاحب کی تصویروں کے ساتھ دلی تعظیم اور لگاؤ کا معاملہ ہے جبکہ حضرت علیؓ کی تصویروں کا مصرف صرف "برائے زینت" معلوم ہوتا ہے۔ یہ چیز ہماری دو گونہ تکلیف کا باعث بنی۔ ایک طرف امام صاحب کی تصویر پرستی میں شرک پروری کا سامان، دوسری طرف حضرت علیؓ کی تصویر، اگرچہ وہ فرضی ہی ہو اُس کی بے وقعتی ——

اسلامی انقلاب —— اور اقامت صلوٰۃ ندارد

اسلام کے عملی اساسات میں پہلا درجہ نماز کا ہے۔ حدیث میں اسے "عِمَادُ الدِّین" (دین کا ستون) اور کفر و اسلام کے درمیان خط امتیاز کہا گیا ہے۔ اور یہی حیثیت قرآن پاک سے ظاہر ہوتی ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک جمعہ کی نماز کے سوا اس کا کما حقہٗ اہتمام نہیں دیکھا۔ اور مسجد کی تو تہران کے پورے قیام میں ایک دو کے سوا کہیں صورت ہی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ہمارے ہوٹل میں لگ بھگ ایک ہزار مہمان تھے۔ نماز کے لیے جگہ اگرچہ ایک طرف بنی ہوئی تھی۔ مگر اذان کی آواز کسی ایک وقت سنائی نہیں دی۔ یعنی اگر ہوتی تھی تو اس کے پورے ہوٹل میں پہنچنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اور اگر اب یادداشت غلطی نہیں کرتی تو ہر چیز کا ٹائم ٹیبل لگتا تھا مگر جماعت کے اوقات کا کوئی ٹائم ٹیبل نہ تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ الخ اگر اہل ایمان کو آزادانہ اقتدار بخشا جائے گا تو اُن کی پہلی فکر اقامتِ صلوٰۃ کی ہو گی۔ مگر یہاں اقامت صلوٰۃ ندارد۔

اقامت کے بجائے ایک طرح کی اضاعت

جمعہ کی نماز جس کا اہتمام ہوتا تھا۔ اُس کا ایک وحشت ناک پہلو تو اوپر آ گیا۔ اس کا دوسرا پہلو تھا جلسوں کی سی نعرہ بازی۔ اور اس کی وضاحت کے لیے تھوڑا سا بیان خطبۂ جمعہ کی نوعیت کا ضروری ہے۔

یہ تو ہم پہلے ہی سے جانتے آئے تھے کہ انقلاب کے بعد سے ایران میں خطباءِ جمعہ کا خطبہ "عصا در دست" کے بجائے "رائفل بردوش" ہو کر دیتے ہیں، چنانچہ خطیب صاحب اسی شان سے سامنے آئے۔ مگر خطبہ کی نوعیت کا یا تو پہلے سے علم نہ تھا اور یا ذہن سے نکل گئی تھی۔ بہرحال خطبہ حمد و ثنا اور صلوٰۃ و سلام اور ایک آدھ آیت (یا سورۂ قرآنی) کے بعد تمام تر اور بے حد طوالت کے ساتھ خالص حالات حاضرہ سے متعلق (بالفاظ دیگر تمام تر انقلابی) تھا۔ "رائفل بردوش" خطیب سے اس طرح کا خطبہ ظاہر ہے کہ کوئی خلاف توقع بات نہ ہونی چاہیے تھی۔ مگر یہ بات بالکل خلاف توقع اور باعث حیرانی تھی کہ خطبہ کی اس نوعیت کے ساتھ بالکل وہی نعرے بازی پورے خطبہ میں ہوتی رہی اور اُسی دھڑا دھڑی سے کیمرے چلتے رہے جیسے ایران کے ہر جلسے میں دیکھتے آئے تھے۔[۱]
ہمارے علم و تصور کے مطابق جمعہ کا خطبہ جمعہ کی نماز ہی کا ایک جزو ہے۔ اور اس کا کام تقریباً وہی ہے جو فرائض سے پہلے سنتوں کا، کہ آدمی میں توجہ الی اللہ اور خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کریں تاکہ فرض نماز پوری طرح ان کیفیات کے ساتھ ادا ہو۔ یہاں اس کے برعکس انقلابی شورش کی کیفیات پیدا ہو رہی تھیں۔ ہمارا اور ہم جیسے تمام لوگ جن سے اس بارے میں بات ہوئی اُن کا اس نعرے بازی اور کیمرے بازی کی بدولت یہ حال خطبہ کے دوران ہو گیا کہ نماز نماز ہی نہ معلوم ہوئی، ذہن یکسر پراگندہ اور بدمزہ تھا اور نہ جانے کہاں کہاں گھوم رہا تھا۔ بس قیام و قعود اور رکوع و سجود، یعنی ارکان نماز ادا ہو گئے، نماز کی روح اس نعرے بازی کی نذر ہو گئی۔ نتیجہ میں ہم دوسرے جمعہ کی نماز میں جانے کی ہمت نہ کر سکے اور مسافری کا عذر لیکر کمرے ہی میں ظہر پڑھ لی۔[۲]

---

[۱] نعروں کا سیٹ کہیں ذکر میں نہیں آسکا ہے۔ مناسب ہے کہ یہاں ذکر کر دیا جائے۔ "اللہ اکبر، خمینی رہبر، مرگ بر ضدّ ولایت فقیہ، مرگ بر امریکا، مرگ بر اسرائیل، مرگ بر صدّام و منافقین" —— ضدّ کے معنیٰ مخالف۔

[۲] اوپر جو عوام کی اسلامی تعلیم و تربیت کے ایک خاص انتظام کے ذکر میں انقلابی بے اعتدالیوں کی طرف اشارہ آیا ہے، اُن میں سب سے زیادہ محسوس ہونے والی چیز نماز جمعہ کی سیاسی اہمیت کا نکتہ تھا۔ مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ اسکی وسعت میں نعرہ بازی اور فوٹوگرافی بھی داخل ہے۔

حالیہ حج کی طرح گزشتہ حج کے موقع پر ایرانی حجاج کی نعرے بازی نے جو مسئلہ حرمین میں پیدا کیا تھا۔ جس کی بڑی خبریں لندن کے اخبارات میں بھی آئیں۔ اس سلسلے میں شاہ خالد مرحوم نے امام خمینی کو ایک شکایتی خط لکھا تھا اور خواہش کی تھی کہ وہ اپنے ملک کے حجاج کو سمجھائیں کہ یہ موقع اس طرح کی نعرے بازی کا نہیں اور حرمین کے ادب کے خلاف اور روح حج کے منافی ہے۔ یہ خط میں نے ایران ہی کے ایک رسالے میں مع اس کے جواب کے پڑھا تھا۔ اور اسی جواب کی بنا پر کوئی فائدہ نہ معلوم ہوا کہ جمعہ میں جو کچھ ہم نے دیکھا اُس کے بارے میں کسی سے وہاں بات کریں۔ اندازہ ہو گیا کہ اس انقلاب میں نعرۂ تکبیر اور ترانۂ توحید تو ضرورت سے بھی کچھ سوا ہے۔ مگر عبدیت کے خشوع وخضوع اور عجز و نیاز کو کم از کم وقتی طور پر ہی (شاید انقلابی مصالح اور مسائل کے تحت) خارج از ضرورت کر دیا گیا ہے۔ تاہم ہم اپنے آپ کو کسی ایسی اسلامی مصلحت کا تصور کرنے سے قاصر پاتے ہیں جس کے لیے روحِ نماز اور روح حج سے بے نیاز ہو جایا جائے۔

ایرانی انقلاب کے بارے میں میرے خیالات کے سفر کی کہانی

اچھا تأثر اور اس کے اسباب

انقلاب کے شروع میں میرا تأثر کافی دن تک اچھا ہی اچھا بلکہ بہت اچھا رہا۔ سب سے پہلی چیز جو شاید بلا تفریق سب کو متاثر کر رہی تھی وہ انقلابی قیادت کی استقامت اور مہارت تھی۔ ملک سے باہر ہوتے ہوئے اہل ملک پر خمینی صاحب کی ایسی گرفت کہ "ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا" کا سماں بندھ رہا تھا ــــ شاہ کی سخت ترین خونریزیوں سے بھی ادنیٰ لرزش اُن کے پائے استقامت میں نظر نہیں آتی تھی۔ اعصاب کی مضبوطی اور دماغ کی صحیح کارکردگی کا اس ہوش ربا عالم میں بھی یہ حال تھا کہ جو اگلا قدم وہ قوم کے لیے تجویز کرتے تھے صحیح ہی پڑتا اور حریف کے پاؤں اُکھاڑتا تھا۔ حتیٰ کہ باہر ہی بیٹھے بیٹھے اُنھوں نے شاہ کو ملک چھوڑ دینے اور ان کے لیے جگہ خالی کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور شاہ کی متروکہ حکومت

کے ہوتے ہوئے کبھی وہ اپنے شرائط پر ایران میں اُترے۔ اور پھر اس حکومت کے ہتھیار ڈال دینے بلکہ فرار اختیار کرنے میں بھی کچھ دیر نہ لگی۔

یہ تو وہ پہلو تھا جس سے کم و بیش سب ہی لوگ، چاہے موافق ہوں یا مخالف، متاثر ہوئے ہوں گے[۱]۔

دوسری چیز بطور خاص خوش کرنے والی، انقلاب کا دینی رُخ و رنگ بلکہ اُس کی دینی اساس تھی، کہ ہر چند یہ انقلاب شیعہ دینی تصور کے ماتحت ہے۔ مگر ایک تو دین کے نام اور دین (یعنی اسلام) کی اساس پر انقلاب، یہ بہر حال دوسرے اسلامی ملکوں کی دینی تحریکوں اور عناصر کو ایک نیا ولولہ اور امید عطا کرنے والی اور ان ملکوں کی حکومتوں کو عقل و ہوش کی راہ دکھانے والی چیز ہے کہ اسلام سے انحراف یا نفاق چھوڑ دیں۔ـــــ دوسرے خمینی صاحب بلا قید شیعیت دین کے نقیب نظر آرہے تھے۔ اور ان کے زیر اثر ایرانی طالب علموں اور نوجوانوں کا جو طبقہ دوسرے ملکوں، برطانیہ وغیرہ میں تھا وہ اپنے عمل اور معاملے سے اس کا ثبوت بہم پہنچا رہا تھا کہ خمینی صاحب کی قیادت نے ملکی نظام ہی میں انقلاب کی بنیاد نہیں ڈالی ہے بلکہ قوم کے ذہن کو بھی بدل کر بڑی وسعت اور فرقہ واریت سے بلندی عطا کر دی ہے۔ تو اس طرح یہ ایرانی انقلاب بالاتر ہی نہیں بالارادہ بھی وسیع معنیٰ میں عالمی اسلامی انقلاب کا ذریعہ اور پیش خیمہ بن سکے گا۔

اچھے تأثرات پر دباؤ کا دور

ان اچھے تأثرات میں اگر کافی مضبوطی نہ ہوتی تو خمینی صاحب کے برسر اقتدار آجانے کے بعد جلدی ہی ان میں فرق پڑنا شروع ہو جاتا۔ کیونکہ رضا شاہ جہاں کہیں پناہ کے لیے پہنچے خمینی صاحب نے اُن کی واپسی کا بڑے ہی بے رحمانہ انداز میں مطالبہ شروع کیا۔ مطالبے میں کوئی مضائقہ نہ تھا مگر اس بے رحمی کا انداز کسی دینی طبیعت کا اچھا نمونہ نہیں تھاـــــ اور اگر برطانوی اخبارات کی اطلاعات صحیح ہیں توـــــ حد ہو گئی کہ جب حکومتوں پر بس نہ چلا تو انھوں نے اُن کے اہل خاندان بہن اور بیوی سے کہنا شروع کیا کہ وہ اگر شاہ کو قتل کر دیں

[۱] اس تأثر کے ساتھ ہی ساتھ خود میرا اپنا ایک شبہ اس بارے میں تھا، جو آگے ایک موقع پر بیان میں آئے گا۔

یا زہر دیدیں تو اُن کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ پھر وہ بیچارہ —— کتنا ہی وہ ظالم اور بدکار رہا ہو تاہم اپنے اس آخری حال میں بیچارہ ہی کہلائے گا —— اس دربدری اور اندرونی ہموم کے اثر سے کینسر میں مبتلا ہو گیا تو اس کو علاج تک کرانا محال کر دیا گیا۔ اسی حالت میں یہاں سے وہاں جان بچاتا بھاگتا پھرتا تھا۔ اور ادھر کھلے عام یہ کوشش تھی کہ اُسے اپنی موت بھی نہ مرنے دیا جائے۔ بلکہ کسی ایرانی کو اُس کے خون سے پیاس بجھانے کا موقع ملے۔ بہرحال کچھ خصوصیات میں خمینی صاحب کا ہم پلّہ سادات اُس غریب کے کام آیا اور اُسے قدرے اطمینان سے مرنے کا موقع مصر میں مل گیا۔

اسی طرح کی بے رحمی شاہ کے اُن تمام اعوان و انصار کے ساتھ بڑی تیزی سے کی جاتی رہی جو ایران ہی میں ہاتھ آ گئے تھے۔ کہنے کو عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا گیا مگر عدالتی کارروائی جس انداز کی ہوتی تھی اُس سے تو اُن کے قتل کا جواز ہرگز نہیں بنتا تھا۔ البتہ اُن کے جرائم عموماً الم نشرح اور گویا ثابت شدہ تھے اس لیے کہا جا سکتا تھا کہ کچھ غلط نہیں ہوا۔[ؔ]

ؔ سفرِ ایران کے دنوں میں ایک دن ہم لوگوں کا پروگرام تہران کی ایوٰن جیل کے معائنہ کا رکھا گیا تھا۔ اسی جیل کے اندر تہران کے چیف جج سید علی گیلانی کی عدالت بھی تھی۔ پروگرام کا پہلا جز چیف جج سے ملاقات ہی کا تھا۔ اس ملاقات میں جج صاحب نے ان خبروں ہی کے پس منظر میں جو ایران کی عدالتی کارروائیوں کے متعلق دنیا میں عام ہوتی رہی تھیں اپنے عدالتی طریق کار پر روشنی ڈالی۔ اور اس میں انھوں نے ان خبروں کی صداقت کو تسلیم کیا کہ بعض ملزموں کے معاملے میں معروف عدالتی طریق کار کے معیار پر ثبوت جرم پہنچائے بغیر سزا دی گئی۔ مگر اس کو صحیح قرار دینے کے لیے انھوں نے اسلام کی عدالتی تاریخ سے کچھ نظائر کا حوالہ دیا —— اور یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یہ نظائر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق تھے —— جو اماں ملی تو کہاں ملی! —— مگر مجھے ان توجیہات میں کوئی جان نظر نہیں آئی۔ اور بس اس کا ثبوت ملا کہ خبریں صحیح تھیں۔ اور آج تو ایران کی عدالتی کارروائیوں کی بے عنوانیاں کسی بھی ثبوت سے بے نیاز ہیں کہ پچھلے ہی مہینے (جنوری ۸۳ء) امام خمینی صاحب نے بہ نفس نفیس اس کا نوٹس لیا ہے اور ایک اعلیٰ تر اختیارات کا پنیل تمام عدالتوں سے متعلق انکوائری اور اُن کی نگرانی کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ یہ نوٹس صرف عدالتوں کی بے عنوانیوں ہی کا نہیں ہے بلکہ اُن تمام انقلابی عناصر کی بدعنوانیوں کا بھی ہے جو لوگوں کے جھوٹے سچے کیس عدالتوں تک پہنچوانے کا ذریعہ بن رہے ہیں اور اس طرح انھوں نے ایران کو ایک جاسوسی نظام کا جہنم بنا دیا ہے۔

بس اس طرح کی تاویلیں اپنے اچھے اور گہرے تاثرات کے زیر اثر کر کے ایسی باتوں کا اثر دور کیا جاتا رہا مگر ایک طرف تو یہ باتیں بڑھتی ہی چلی گئیں اور دوسرے قسم کے ملزموں کے ساتھ بھی ایسی کارروائیاں مسلسل عمل میں آتی رہیں، جن سے متعلق الزامات اگرچہ ان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہونے دیتے تھے۔ مگر عدالتی کارروائیاں اسلامی عدل کی رو سے قطعاً ناکافی اور سزائیں ظلم معلوم ہوتی تھیں۔ دوسری طرف امریکن سفارت خانے کے یرغمالوں کا مسئلہ وجود میں آیا، جو ایک منزل پر جا کر ہر معقولیت اور جواز سے خالی ہو کر صرف اس مصرف کا محسوس ہونے لگا کہ قوم کا ذہن اُن بے اطمینانیوں کے ردِّ عمل سے ہٹا کر جو مابعد انقلاب کے سخت معاشی اور کاروباری بحران سے پیدا ہو رہی ہوں گی، جب تک ہو سکے اس جذباتی ڈرامہ میں اٹکائے رکھا جائے اور مخالف عناصر کو موقع نہ ملنے دیا جائے کہ وہ قوم کی اس کسل مَسَل سے فائدہ اُٹھائیں۔

پہلی دڑاڑ تأثرات کی اچھی موٹی اور مضبوط دیوار میں پہلی دڑاڑ اسی یرغمالی مسئلہ کے لایعنی طول سے پڑی۔ اصل اقدام واقعی دبنگ پن کا اور پوری تیسری دنیا (THIRD WORLD) کے لیے نفسیاتی طور پر غیر معمولی ہمت بخش ہونے کے لحاظ سے بڑا قیمتی تھا۔ امریکہ نے اپنی ساری عظیم طاقت کے باوجود جس ٹک ٹک دیدم کے انداز میں اسے برداشت کیا، اُس نے اسے اُس جواز کا سرٹیفکٹ بھی عطا کر دیا تھا جو جواز اس کا ایرانی بتاتے تھے۔ یعنی سفارت خانے کے نام سے جاسوسی اور تخریبی گھونسلے کا کام۔ مگر اسے چودہ مہینے کا طول اس طور پر دینا کہ سارے ایران کی بیشتر توانائیاں اور توجہات اسی طول کو بنائے رکھنے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ امریکہ کی عظیم طاقتی کی وجہ سے ہر وقت یہ خطرہ کہ پتہ نہیں کدھر سے کیا اقدام ہو جائے اور اس خطرے کے مقابلے کے لیے ہر وقت ذہنی یکسوئی اور عملی کارروائیاں۔ قوم اس حال میں انقلاب کی منزل سے

ہمکنار ہوئی ہے کہ ملک کی پوری معیشت کا ڈھانچہ چور چور ہو گیا ہے۔ فوری طور پر نئی تعمیر اور بحالی کے کاموں کی ضرورت ہے۔ مگر یرغمالوں کی حفاظت کا مسئلہ کہاں اس کا موقع دے رہا ہے؟۔ پوری قیادت اور اس کے دست و بازوؤں کو بس یہی دیو پکڑ لینے کا مسئلہ گھیرے ہوئے ہے۔ تہران کی اس وقت کی بحرانی کیفیت کی خبروں کو ذہن میں تازہ کیجیے تو یہ بات یاد آجائے گی کہ بس ایک ہی مسئلہ سارے ایران پر چھایا ہوا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ کوئی دوسرا مسئلہ وہاں اس وقت قابل توجہ نہیں رہ گیا ہے —— امریکہ اپنے دبے ہوئے ہاتھ کو چھڑانے کے لیے طرح طرح کی مصالحانہ کوششیں کر رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل تہران کے چکر کاٹ رہے ہیں۔ مگر یہاں انداز یہ ہے کہ گویا مسئلہ حل کرنا ہی نہیں ہے۔ اور یہ جو دوسرے تمام کاموں کو روک کر بیٹھ جانے والا آزار پالا ہے، یہ گویا کوئی آزار ہی نہیں بلکہ کوئی بڑی خوشگوار شئے ہے، جس سے چھٹی منظور نہیں! اس مرحلہ پر طبیعت انتہائی کھٹی ہونے لگی۔ اور اس تأثر کو اپنے آپ سے دور کرنے کا کوئی راستہ نہیں رہا کہ گویا ؎

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

یعنی قوم میں حالات سے ناراضگی کے سر اٹھانے کو معقول طریقوں سے روکنے کی کوئی صورت نہیں بن پا رہی تھی، تو کوئی بھی ہنگامہ خیز مسئلہ کھڑا کر لیا جائے اور وہ کارگر نظر آئے تو پھر جب تک جی سکے اُسے جلائے رکھا جائے۔ چاہے اس کے نتیجہ میں حالات بد سے اور بدتر ہی کیوں نہ ہوتے جائیں۔ حتّٰی کہ کوئی نیا مسئلہ اسی ڈھب کا مل جائے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ دس مہینے اس مسئلے کو کھینچ لینے کے بعد اس سے کہیں بڑا، اور واقعی مسئلہ خدا کی دَین بن کر آ گرا۔ یعنی عراق کو حماقت سوجھی کہ ایران کے اندرونی حالات کی ابتری اور اس مسئلہ میں الجھاؤ سے فائدہ اٹھا کر شط العرب کا جھگڑا اپنی مرضی کے مطابق حل کرا لیا جائے۔ اور اس احمقانہ خیال کے ساتھ جس کے پیچھے دوسری

اور بیرونی تحریکات بھی یقیناً کارفرما تھیں، ایران پر فوجی دھاوا بول دیا، جس کے لیے بہانہ پیدا کرنے کا ذمہ دار یقیناً ایران ہی اپنی کچھ کارروائیوں کی بنا پر تھا۔[1]
اب اس نئے اور واقعی مسئلہ کے پیدا ہوتے ہی ایرانی انقلاب کو یرغمالی مسئلہ سے پیچھا چھڑانے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اور وہ جو ایسے سخت شرائط ابتک اس کے لیے لگا رکھے تھے جن پر امریکہ کے راضی ہو جانے کا کوئی سوال نہ تھا، ان میں سے کچھ تو بالکل ہی غائب ہو کر اور کچھ اپنی اصلیت کے اعتبار سے بہت کچھ بدل کر چار مہینے کے اندر اندر سمجھوتہ ہو گیا۔ اور یہ چار مہینے بھی اس لیے لگے کہ اصل شرائط تو پورے ہو نہیں رہے تھے اس لیے بظاہر قوم میں حتی الامکان بات بنائے رکھنے کے پیش نظر سمجھوتے کی کارروائی میں بڑی سخت جد وجہد اس بات کی کرنا پڑی کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ ہار مان لی گئی ہے۔ خیر کسی طرح یہ قصہ الجزائر کی درمیانی خدمات سے پاک ہوا۔ اور چودہ مہینے کا وہ ڈرامہ جو مدت سے مہمل بن گیا تھا خاتمہ کو پہنچا۔

اب اس خودساختہ مسئلے کی جگہ عراق کا عائد کردہ مسئلہ پہلے ہی سے آچکا تھا۔ اور اچھا خاصہ لمبا چوڑا علاقہ اور وہ بھی ایرانی معاشیات کی شہ رگ یعنی تیل کی دولت کا، اتنے دنوں میں عراق نے قبضا لیا تھا۔ یہ مسئلہ واقعی ایسا نہیں تھا کہ ایران اس سے کسی بھی طرح پیچھا چھڑانے کی بات سوچے اور داد دینی چاہیے ایرانی قیادت کی مضبوطیٔ اعصاب اور ہمت کی کہ ان ابتدائی مہینوں میں اپنی پتلی حالت اور ہر محاذ پر شکست کے باوجود جنگ جاری رکھنے اور دشمن کو پسپا کرنے کے عزم و حوصلہ میں کوئی ادنیٰ کمزوری نہیں دکھائی۔ حالانکہ ان دنوں میں یرغمالوں کا مسئلہ الگ مصیبت اور روایاتی "کمبل" بنا ہوا تھا۔ بہرحال پھر داد دیجیے اور مضبوطیٔ اعصاب وہمت کا سبق ایرانی انقلاب کے قائدوں سے سیکھیے کہ انھوں نے کسی گھبراہٹ اور پریشانی کا شائبہ بھی اپنے رویہ میں نہیں آنے دیا۔ اور بالآخر اپنی فوج کی تمام پراگندگی اور ابتری کے باوجود، قوم کو ایک نئے جوش سے بھر کر دو سال کی مدت میں جنگ کے پہیہ کو

---

[1] اس مجمل اشارے کی تفصیل آگے ایک موقع پر آئے گی۔

اُلٹا گھما ہی دیا۔ اب ایرانی رضا کار اور نیشنل گارڈ پیچھے پیچھے اور عراق فوج آگے آگے۔ اور یہاں بھی چار ہی مہینے مشکل سے لگے کہ ایک تھوڑی سی پٹی کو چھوڑ کر نہ صرف ایران کے تمام اہم علاقے اور شہر عراقی فوج سے خالی ہو گئے۔ بلکہ بڑی تعداد میں اُنھیں ایرانیوں نے گرفتار بھی کر کے خود اُن کی سرحدوں کے اندر ڈیرہ جا جمایا ہے۔

یہ عراق ایران کی جنگ کا قصّہ اپنی اس وقت تک کی صورت حال تک، صرف سلسلۂ کلام کے جوڑ سے اس جگہ پر آگیا، ورنہ ابھی اس کا موقع نہ تھا۔ اور کہنا یہاں صرف یہ تھا کہ یرغمالوں کے مسئلہ کا وہ طول جس میں نہ صرف یہ کہ کوئی معقولیت سمجھ میں آنے والی نہیں تھی بلکہ مابعد انقلاب کے اُن قومی مسائل پر توجہ میں زبردست رکاوٹ ڈال دینے والا بھی تھا جن پر توجہ کی ضرورت ملک کی سب سے بڑی ضرورت تھی، اس طول لایعنی کے اثر سے راقم سطور کے اچھے تأثرات میں فرق آئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اور وہ جو خمینی صاحب کی ایک سنجیدہ اور مخلص قائد کی حیثیت سے دل میں وقعت تھی مجروح ہوئی، کہ یہ تو اقتدار کی مسند پر پہنچ کر اُنھیں باتوں کے روادار ہونے لگے جن کے لیے اربابِ اقتدار و سیاست بالعموم بدنام ہیں۔ ورنہ اس لایعنی طول کا کیا جواز تھا جس سے وہ باتیں تو بدیہی طور پر حاصل ہونے والی نہیں تھیں جن کا مطالبہ امریکہ سے کیا جا رہا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ قوم و ملک کے سلسلے میں جو اُن کے اوّلین فرائض تھے وہ بالکل پس پشت ہو رہے تھے؟

بدمزگی میں اضافہ

پھر اس تأثر کو عراق کی جنگ کے سلسلے میں بھی اُن کے شرائط کی فہرست نے اور پختہ کر دیا۔ اور ان شرائط کے معاملے میں اُن کے اس رویّہ نے کہ اسلامی دنیا کے منتخب نمائندے بار بار تہران کے چکّر کاٹ رہے ہیں کہ عراق جب جنگ ختم کرنے پر علی الاعلان تیار ہے اور وہ آخر میں خود ہی اس اعلان کے ساتھ اپنے قبضے کے اکثر باقیماندہ ایرانی علاقے بھی چھوڑ کر

اپنی سرحدوں میں واپس چلا گیا ہے۔ بعض شرائط بھی ماننے کو تیار ہے، عالم اسلامی کی کھلی ہوئی ضرورت بھی ہے کہ دو اسلامی ملکوں کی یہ طویل باہمی جنگ ختم ہو تو ایران کو بھی کچھ اپنی سختی میں کمی کر دینی چاہیے۔ مگر یہاں وہی ایک رٹ کہ، مناسب اور نامناسب، ہر شرط جو آیت اللہ خمینی صاحب کی زبان سے نکل گئی ہے وہ حرف بحرف پوری ہونی چاہیئے، اس کے بغیر جنگ نہیں بند ہو سکتی۔ یہ رویّہ اپنے احساس میں اس سے بھی زیادہ نامعقول اور مہمل تھا جو امریکی یرغمالوں کے مسئلہ پر برتا گیا تھا۔ اور اس بنا پر اس کی بھی کوئی وجہ سوائے اس کے سمجھ میں آنے والی نہیں تھی ایک طرف تو یہ مسئلۂ جنگ امریکی یرغمالوں کے مسئلہ سے کہیں زیادہ جذبات خیز ہے۔ اور اس لیے قومی مسائل کے سلسلے میں جو ضروری کام اب تک نہیں کیے جا سکے ہیں۔ اور اس لیے بے اطمینانی اور ناآسودگی کے مظاہر کا باعث ہو سکتے ہیں، اُن کے معاملے میں حامیوں پر خود فراموشی کی کیفیت طاری رہے۔ درمیانی عناصر کو ایسے وقت میں لب کشائی سے حجاب ہو اور مخالفین کے اعتراضات کے مقابلے میں فرائض کو پورے نہ کر سکنے کا ایک اچھا عذر رکھا جا سکے۔ بلکہ اُنھیں الٹا مجرم بنایا جا سکے کہ کیسے وقت میں کس قسم کی باتیں اُٹھا کر قومی محاذ کو کمزور اور دشمن کو فائدہ پہنچانے کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

قرائن کی ایک افسوسناک شہادت

دوسری وجہ اس رویّہ کی، جو اقرار و اعلان کے ماسوا تمام قرائن سے ظاہر ہو رہی ہے اور اس پہلی وجہ سے بدرجہا زیادہ افسوسناک ہے۔ اور زیادہ یقینی بھی، وہ یہ ہے کہ عراق شاید پہلے دن سے ایرانی انقلاب کا نشانہ تھا۔ جنگ سے پہلے ایران ہی کی طرف سے اس کا بہانہ فراہم کر دینے کی جو بات اشارۃً اوپر آئی ہے۔ اس کی شرح یہ ہے کہ عراق میں بعثی حکومت کے قیام کے بعد سے اسلام وہاں اس حکومت کے جبر و استبداد کا بطورِ خاص نشانہ بنا ہوا تھا۔ جیسا کہ شام کی بعثی حکومت کا حال ہے۔ عراق میں شاید برابر سرابر سنّی اور شیعہ آبادی ہے۔ یا جیسا کہ کہا جاتا ہے شیعہ آبادی کی تعداد

کچھ زیادہ ہی ہے بعثی حکومت کے اسلام دشمن رویّہ میں شیعہ سنّی کا کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن وہاں کے شیعوں کا ایران سے بہت گہرا تعلق ہے۔ خود امام خمینی نے اپنی انقلاب سے پہلے کی جلا وطنی کے پندرہ سال وہاں گزارے تھے، جس سے یہ رشتہ خاص طور سے انقلاب ایران کے ساتھ اور مضبوط ہوا۔ وہاں ایران کی طرح پہلے ہی سے شیعوں میں اسلامی انقلاب کی تحریک حالات کی اجازت کے بقدر چل رہی تھی۔ ایرانی انقلاب نے اردگرد کی تمام ہی شیعہ آبادیوں میں جس طرح ایک غیر معمولی امنگ اور جذبے کی روح پھونکی، عراق میں قدرتی طور پر اس کا اثر اور زیادہ ہوا۔ اور اسی لیے بعثی حکومت کے جور و جبر کا تختہ مشق بھی سنیوں کے مقابلے میں وہی زیادہ بننے لگے۔ اس صورت حال کو ایران کی انقلابی قیادت قدرتی طور سے ہضم نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے عراق کی بعثی حکومت کو کمزور کرنے اور شیعہ عنصر اور اس کے جذبے کو ممکن طریقوں سے تقویت پہنچانے کا عمل قدرتی طور سے شروع ہوا۔ یہی تھی عراقی حکومت کو بہانے کی فراہمی!

راقم سطور کی نظر میں ایرانی قیادت کا یہ رویّہ قدرتی اور اسلامی نقطۂ نظر سے ناقابل اعتراض تھا۔ مگر اس رائے کی بنا یہ تھی کہ یہ رویّہ محض اسلامی جذبہ پر مبنی ہے۔ لیکن جنگ کو ختم کرنے اور نہ کرنے کے سلسلے میں ایرانی قیادت کے جس رویّہ کا ذکر اوپر کیا گیا اس رویّہ نے اس رائے اور خیال کو غلط محسوس کرانا شروع کیا کہ ایرانی قیادت عراق کے معاملے میں محض اسلامی جذبہ اور نقطہ نظر رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ رویہ خالص اسلامی جذبے اور نقطۂ نظر سے کوئی جوڑ نہیں کھاتا۔ بلکہ اس کے برعکس اسلامی جذبے اور نقطۂ نظر کا تقاضہ یہ ہے کہ اب اس جنگ کو ختم کیا جائے۔ عراق بہ زبان حال اپنی غلطی مان چکا ہے۔ ایک دو کو چھوڑ کر تمام ہی مسلم حکومتیں خوشامد کر رہی ہیں کہ جتنی معقول شرائط ہیں وہ سب پوری کرا دی جائیں گی، جنگ بند کرو اور ہماری مصالحتی خدمات پر بھروسہ کرو۔ مگر وہاں اس سب کے باوجود وہی تمام شرائط چل رہی ہیں کہ مصالحت کے زیر عنوان اس قسم کی شرائط

دنیا میں کبھی نہیں سنی گئیں۔ جن میں سر فہرست یہ ہے کہ صدام "خودکشی" کریں اور بعثی حکومت عراق کا چارج "اسلامی" عناصر کو دے۔

جنگ بندی کی انوکھی شرط اور اس کی قرآنی دلیل

دنیا میں کوئی شخص بھی مصالحت کی ایسی شرائط کو معقول سمجھ سکتا ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جنگ بعثی حکومت سے نہیں ہے عراق سے ہے اور سمجھوتہ جب ہوگا جب عراق کی طرف سے اپنی موجودہ حکومت ختم کرکے ایران کی مرضی کی حکومت قائم کردی جائے! یہ مطلب اگر نہیں نکلتا تو پھر عراق کی جس حکومت سے جنگ بندی کے سمجھوتے کا معاملہ درپیش ہے اُس سے اُس کے وجود ہی کے خاتمے کی شرط کے ساتھ، سمجھوتے کے کیا معنی رہتے ہیں؟ اور اس شرط کی رُو سے اگر غور کیا جائے تو جب تک یہ حکومت باقی رہنے پر اصرار کرے گی، اور ظاہر ہے کہ جب تک ہوسکے گا کرے گی۔ اُس وقت تک اس کے جرم کی پاداش میں عراق کو اپنی حکومت کے نہ چاہنے کے باوجود جنگ کا عذاب بھگتتے رہنا پڑے گا! یہ کون سی اسلامیت اور اہلِ عراق کے ساتھ اسلامی اخوت ہوئی؟

کہا جاتا ہے ـــــ اور حیرت ہوتی ہے کہ کیسے اب تک اسے کہا جارہا ہے؟ ـــــ کہ صاحب ہم تو ایک اسلامی حکومت ہونے کی بنا پر قرآنی حکم کی رو سے اس کے لیے مجبور ہیں کہ جب تک یہ شرط پوری نہ ہو جنگ بند نہ کریں۔ وہ کون سا قرآنی حکم ہے؟ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (۴۹-۹) یہ آیت بتائی جاتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:- (اور اگر مسلمانوں میں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو (اے مسلمانو!) ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے کوئی اس مصالحت کے خلاف سرکشی کا ارتکاب کرے تو تم (سب) اس سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم پر واپس آجائے۔)

دلیل کا جائزہ

کوئی باریک بات نہیں بہت کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ آیت

ایران کے موجودہ رویہ کے حق میں جا رہی ہے یا اسے قطعاً غلط ٹھہرا رہی ہے؟ جنگ عراق کی بعثی حکومت اور ایران کے درمیان ہے۔ آیت مسلمانوں سے کہتی ہے کہ جب دو مسلمان گروہوں اور جماعتوں میں جنگ ہو تو اُن میں صلح کراؤ اور پھر اگر ان میں سے کوئی مصالحت کی طے شدہ شکل اور شرط کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو اور اس طرح مصالحت کے حکم الٰہی سے سرکشی دکھائے، تو سب دوسری جماعت کے ساتھ مل کر اس کے خلاف جنگ کرو اور مجبور کردو کہ مصالحت کی طے شدہ شرط و شکل کی تابعداری پر واپس آئے۔ اس کے بعد آیت کے مزید الفاظ یہ ہیں:۔ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ٥ (پھر اگر وہ واپسی پر آمادہ ہو جائے تو از سرِ نو ان دونوں میں انصاف کے مطابق صلح کرا دو اور (دیکھو) عدل و انصاف کو سامنے رکھو کہ اللہ عدل و انصاف کی بات کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

اس آیت قرآنی کا صاف حکم ایرانی قیادت کو یہ ہے کہ مسلمان قومیں اگر اس کے اور عراقی حکومت کے درمیان صلح کرانے آرہی ہیں تو اسے قبول کیا جائے۔ اور پھر اگر خدانخواستہ عراقی حکومت اس صلح کے شرائط سے انحراف کرے تو ان سب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایران کے ساتھ مل کر عراقی حکومت کی عقل ٹھکانے لائیں۔ البتہ یہاں بھی یہ پیش نظر رکھیں کہ خود فریقانہ جذبات کا شکار نہ ہو جائیں بلکہ عراقی حکومت کو اگر عقل آجائے اور وہ پھر پچھلی صلح کی متابعت پر راضی ہو، یا اگر خلاف ورزی کے دوران میں اُس نے مزید کوئی زیادتی کی ہے اور اب اس کی بھی مزید تلافی پر راضی ہے تو خود شریک جنگ ہو جانے کی وجہ سے یا اُس فریق کے ساتھ کسی سابقہ رشتے ناطے کی وجہ سے اُس دوسرے فریق کو کوئی بیجا سزا دینے یا غیر منصفانہ مطالبات عائد کرنے کی زیادتی کے شیطانی جذبہ کا شکار نہ ہوں بلکہ اب بھی عین انصاف کے مطابق صلح بحال کرائیں۔

اس حکم قرآنی میں پتہ نہیں کہاں سے وہ کوئی باطنی نکتہ دریافت کر لیا گیا ہے جس کی رو سے اس آیت کی اسپرٹ (روح) کے بالکل خلاف ایرانی قیادت کے ایسے شرائط کا بھی جواز ہی نہیں وجوب نکلتا ہے جو صلح کو بالکل ناممکن بناتے ہیں؟ جبکہ شاید صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں اگر کوئی دوسرا نکتہ ہے تو وہ یہ ہے کہ اگر متحارب فریقین میں سے ایک فریق امت مسلمہ کی ساری کوشش اور دوسرے فریق کی آمادگی بلکہ خواہش کے باوجود، مصالحت نہیں بلکہ انتقامی کارروائی کو انتہا تک پہنچانے پر مصر ہو تو امت کو چاہیے کہ اس غیر مصالحت پسند فریق کی عقل ٹھکانے لانے کی کارروائی کرے اور اسے مصالحت پر مجبور کر دے کیونکہ یہ مصالحت کرانا اور مسلمانوں کا بھائی بھائی بن کر رہنا اللہ کا حکم ہے۔ اس آیت کے بعد کی متصل آیت میں مزید فرمایا گیا ہے:۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (خوب یاد رکھنا چاہیے کہ، مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں (جن میں لڑائی بھڑک اٹھی ہو) صلح کرا دیا کرو اور اللہ کا ڈر ذہن میں رکھو۔ تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے)

مگر آج کی دنیا میں ایسی کھری مسلمانی کہاں؟ اور نہ امت مسلمہ کے باہمی حالات ہی ایسے ہیں کہ وہ کوئی ایسا اقدام عملاً کر سکے۔ وہ تو اپنے اور اسلام کے متفقہ دشمن اسرائیل کے خلاف بھی ہاتھ پاؤں ہلانے سے روز بروز معذور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ بس زبانی جمع خرچ ہی سے کچھ حق مسلمانی ادا کرتی ہے۔

اصل گفتگو کی طرف رجوع

بات لمبی ہو گئی۔ کہیں اصل مدعائے گفتگو ہی ناظرین نہ بھول گئے ہوں، جو یہ تھا کہ عراقی حکومت سے جنگ بندی کے معاملے میں جو قطعی غیر مصالحت پسندانہ رویہ ایرانی قیادت نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس کے کوئی اور معنی سوائے اس کے سمجھ میں نہیں آتے ہیں کہ عراقی حکومت کی طرف سے جنگ کی صورت پیدا کرنا ایرانی قیادت کی عین مراد تھی۔ اگرچہ اس کی توقع اُسے نہ رہی ہو۔ یا جس وقت یہ مراد پوری

ہوئی وہ اُس کے حالات کے لحاظ سے ناوقت رہا ہو۔ اسی لیے شروع میں وہ بڑے نقصان کا شکار ہوئی۔ مگر جب ایک چیز مطلوب ہی تھی اور اعصاب ماشاء اللہ مضبوط تھے اور ابتک کی جانداری اور لاَاَنَا وَ لاَ غَیرِیْ (ہمچو من دیگرے نیست) کی شہرت کو کبھی داغ لگا ناپسند نہیں کیا جاسکتا تھا تو طے کر لیا گیا کہ کچھ بھی ہو اب تو اس عین مراد برآری کے موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا ہے۔ لہٰذا اتحاد اسلامی کی ہمہ وقت دعوت اور احکام اسلام کی متابعت، بلکہ انھیں احکام کو زندہ کرنے کے لیے انقلاب برپا کرنے کے دعوے کے باوجود اس دعوت اور دعوے کے یکسر برخلاف۔ اور ہر طرف سے اس دعوت اور دعوے کا واسطہ دیے جانے کے علی الرغم کھلا اعلان چل رہا ہے کہ عراقی حکومت سے مصالحت پر جنگ بندی نہیں ہوسکتی۔ یہ بس اُسی شکل میں بند ہو گی کہ صدّام اور ان کی پارٹی اپنا بوریا بڑھائے اور عراق میں ایران کی مرضی کی حکومت قائم ہو!

اور یہ چیز "عین مراد" کیوں تھی؟ کیونکر ایسا سمجھا جاسکتا ہے؟ اس لیے کہ عراق کی جس اسلامی تحریک کی حمایت ایران کی طرف سے عراقی حکومت کے مقابلے میں کی جارہی تھی۔ اور قولاً تو علی الاعلان کی جارہی تھی، کوئی وجہ نہیں کہ عملاً بھی جس حد تک ممکن ہو خفیہ طور سے نہ کی جارہی ہو، اس لیے مزید اور مؤثر حمایت و امداد کی شکل یہی ہوسکتی تھی کہ ایران کو اُن کی حمایت میں کھُلی کارروائی اور اُن کے دوش بدوش کھڑے ہونے کا موقع مل جائے! اور اس کی بہترین اور مناسب شکل یہی ہوسکتی تھی کہ عراقی حکومت اس کا موقع اور جواز فراہم کر دے۔ اس لیے عراقی حملہ کو اگر عین مراد کی ایک شکل سمجھا جائے تو کیا غلط ہے؟ اور جس طرح اس جنگ کو اُس وقت تک جاری رکھنے پر اصرار ہو رہا ہے جب تک کہ عراق کی موجودہ حکومت تخت سے دست برداری دے کر اسے ایران کی حمایت یافتہ اسلامی تحریک کے حوالے نہ کر دے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے تو یہ خیال یقین میں بدل جانے کا حق رکھتا ہے۔ اِلاّ یہ کہ ایرانی قیادت اس کا کوئی دوسرا معقول جواز بتائے اور وہ

جواز جو، جواز نہیں وجوب کے عنوان سے بتایا جاتا ہے، اس کا حال ابھی دیکھا جا چکا کہ کس قدر بے معنی ہے اور قرآن کی آیت کا کس قدر اُلٹا استعمال!

یہ دوسری چیز ہوئی جس نے ایرانی انقلابی قیادت کے بارے میں نہایت اچھے ابتدائی تأثرات کو بُری طرح خراب کر دیا ـــــ اور یہ واقعی ترتیب میں دوسری چیز نہیں۔ بلکہ جیسا کہ اوپر کہا گیا تھا، امریکی یرغمالوں پر سلسلۂ کلام کی مناسبت سے اس کا تذکرہ یہاں آگیا ورنہ واقعی ترتیب میں اس سے پہلے کئی چیزیں اور ہیں اور وہ یہ ہیں:-

حج میں ایرانی نعرے بازی کی خبر اور اس کا اثر

۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء کے حج کے موقع پر یہ خبریں آئیں کہ اس دفعہ ایرانی حجاج نے حرمین کے اندر اور باہر وہ خاص نعرے اجتماعی شکل میں لگائے جو انقلاب کے بعد سے اُن کے خاص نعرے اور انقلابی شعار بن گئے ہیں یعنی "اللہ اکبر، خمینی رہبر" "اللہ واحد، خمینی قائد" ـــــ "مرگ بر امریکہ، مرگ بر صدّام، مرگ بر اسرائیل" ـــــ "الموتُ لامریکا، الموت لاسرائیل، الموتُ لِصدّام۔" اور یہ چونکہ بالکل ایک نئی اور عجیب سی چیز تھی، اس لیے سعودی حکام نے اس سے منع کیا اور نہ ماننے پر دار و گیر کی اور بعد میں پھر ان لوگوں کو چھوڑ بھی دیا جو پکڑے گئے تھے ـــــ یہ خبر آئی تو ایسا زور کا جھٹکا ذہن کو لگا کہ اُس کا صحیح صحیح بیان مشکل ہے اس وقت تک اچھے تأثرات پر صرف یرغمالی مسئلے اور عدالتی بے ضابطگیوں کے اثرات پڑے تھے، اور طبیعت صرف منغّض ہوئی تھی یعنی انشراح جاتا رہا تھا۔ اس خبر کے جھٹکے نے تأثرات کی دنیا بالکل تہ و بالا کر دی۔ اور ہم خیال دوستوں کی ایک مجلس میں اس وقت کا نیا تأثر اِن الفاظ میں نکلا کہ "یہ تو دوسرا اسرائیل پیدا ہو رہا ہے!" غیر

فرقہ وارانہ اسلام اور اخوت و اتحادِ اسلامی صرف لبادہ ہے، ورنہ اصل میں مکمل شیعیت ہے۔ اور عزائم کا آخری نشانہ مدینہ منورہ (بوجہ روضۂ اقدس و جنّت البقیع) ہے۔ جو اسرائیلی عزائم کا بھی اصل نشانہ (بنو قریظہ اور بنو نضیر وغیرہ کی یہودی بستیوں کی یاد کی بنا پر) ہے۔

ایک دوسرا جھٹکا

اس تأثر نے پچھلے اچھے تأثرات کو یک لخت ختم کر دیا۔ مگر وہ بھی بہر حال ایک دو دن کے نہیں تھے۔ دو سال وہ ذہن میں متمکن رہے تھے، اس لیے کچھ وقت کے بعد پھر سے سوچ بچار کی کیفیت شروع ہوئی کہ کیا سمجھا جائے؟ یہ اکتوبر ۱۹۸۱ء کی بات ہے۔ ذہن اسی سوچ بچار کی کش مکش میں پڑا ہوا تھا کہ دسمبر ۱۹۸۱ء میں ایک ایرانی رسالہ نظر سے گزرا جس میں حج کے اس واقعہ سے متعلق شاہ خالد کا امام خمینی کے نام خط اور امام خمینی کی طرف سے اُس کا جواب چھپا تھا۔ اس جواب نے تأثرات کی اس کش مکش کو ایک بار پھر ختم کر دیا۔ اور جیسے حج والی خبر سے ایک اشتعال انگیز جھٹکا لگا تھا، امام خمینی صاحب کے جواب سے اس بار ایسا ہی یاس انگیز جھٹکا ملا۔ کہ انّا للہ و انّا الیہ راجعون' اب اس کی بھی گنجائش نہیں رہی کہ حرمین میں ایرانی حجاج نے جو نعرہ بازیاں کیں اُن سے خمینی صاحب کو دور رکھ کر بس عوام کی ایک ترنگ اسے سمجھ لیں! ——

خمینی صاحب نے زوردار طریقے پر اپنے حجاج کے اس عمل کی وکالت کی اور اسے عین قرن اوّل کا اسلام ٹھیرا دیا۔ اور نہ صرف یہ، بلکہ شاہ خالد کے انتہائی شائستہ متین اور دھیمے الفاظ اور لہجے کا جواب ایسے انداز اور الفاظ میں دیا جو ایک امام کی شان کے برعکس سیاست بازوں ہی کو زیب دے سکتا ہے۔ ایسا جواب جو سائل یا شاکی کو مطمئن یا اُس کی غلطی کو محسوس کرانے کی شائستہ نجی کوشش کے بجائے اس کے خلاف پروپیگنڈے کی غرض سے دیا جاتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے ایٹمی ہتھیاروں کے مسئلہ پر امریکہ اور روس کے سربراہوں کے درمیان خط و کتابت

اور بیان بازی ہو رہی ہے۔عہ

سفرِ ایران

یہ دسمبر ۱۹۸۱ء کے آخر یا جنوری ۱۹۸۲ء کے شروع کی بات ہے۔ اور بس جنوری کے آخر ہی میں ایک دن نئے نئے متعارف ہونے والے ایک مہربان کا ٹیلیفون آیا کہ فروری میں (۱۱ر فروری کو) ایران کے انقلاب کی تیسری سالگرہ ہے۔ کیا آپ اس میں شرکت کے لیے تہران کا سفر پسند کریں گے؟ یہ مہربان لندن میں ایک ایسے مسلم ادارے کے ذمہ دار ہیں جو انقلابِ ایران دوست اور وہاں کے متعلقہ ایرانی ذمہ داروں کا معتمد ہے۔ مجھے یہ نوعیت اُس وقت تک معلوم بھی نہ تھی، اُن کے اس کہنے سے اندازہ ہوا کہ "سفارت خانے سے ایسے اصحاب کے نام مانگے گئے ہیں، اگر آپ آمادہ ہوں تو ہم آپ کا نام بھیجنا چاہتے ہیں"۔ مجھے کچھ تامّل ہوا، اس لیے بعض سوالات کیے۔ اور اس کے بعد یہ سوچ کر اسے قبول کر لینے میں زیادہ دیر نہیں لگائی کہ میں آج کل خیالات کی جس کش مکش میں پھنسا ہوا ہوں یہ اس سے نکلنے کا بہترین موقع ہے۔ ورنہ اُن دنوں میں میری طبیعت اور صحت اس قدر خراب تھی کہ ایک اجنبی جگہ اور ایک سراپا ہنگامہ ماحول (جشن سالگرۂ انقلاب) میں شرکت کے سفر کا تصوّر بھی مشکل تھا۔

بہرحال ۲ر فروری کو یہ سفر ہو گیا۔ اور ۱۴ر تک وہاں قیام رہا، ۱۵ر کو واپسی تھی۔ بارہ دن کی اس مدت میں خراب صحت اور طبیعت کے ساتھ جو کچھ دیکھنا سننا اور مطالعہ کرنا ممکن تھا، اس میں ادنیٰ دریغ نہیں کیا۔ تقریباً روزمرہ کے صبح و شام بھرے ہوئے پروگرام تھے۔ مشکل ہی سے کوئی پروگرام چھوڑا جس کی بنا پر بعض وقت اپنے کو زبردستی گھسیٹنے کی سی کیفیت ہوتی تھی۔ بارہ دن کے اِس قیامِ ایران کے، اس گفتگو کے سیاق و سباق کی مناسبت سے، جن

عہ شاہ خالد مرحوم اور امام خمینی کے ان خطوط کا متن اس مضمون کے آخر میں درج کیا جا رہا ہے۔

مشاہدات اور تجربات کا ذکر ضروری تھا، وہ مع اپنے تأثرات کے زیادہ تر شروع میں آ گئے ہیں اور اُن سے رائے کا جھکاؤ بے اطمینانی ہی کی طرف ظاہر ہوتا ہے۔ البتہ انقلاب اور اس کی قیادت کے بارے میں جو ایک قطعی رائے اور فیصلہ اس سفر کا مقصود تھا وہ آخر تک حاصل نہیں ہو سکا۔ جس کی وجہ طبیعت کی کچھ بہت ہی بڑھی ہوئی خرابی سے اکثر ہی معاملات میں، ذہن کی غیر فیصلہ کن کیفیت تھی۔ چنانچہ ایک حیص بیص کی کیفیت ہی میں واپسی ہو گئی۔

متاعِ سفر

وقت گزرا اور طبیعت بھی کچھ بہتری کی طرف مائل ہونا شروع ہوئی۔ حتیٰ کہ اللہ کا پورا ہی کرم کچھ دنوں کے لیے ہو گیا تو اس مطالعے کی یادداشت کے اوراق جو حافظے میں لپیٹے پڑے تھے اُنھیں کھولنا اور دیکھنا شروع کیا۔ پوری تصویر مرتب ہو گئی اور ذہن کو ایک قطعی فیصلہ بھی مل گیا، جو وہی تھا جو حرمین میں ایرانی حجاج کی نعرہ بازیوں سے پیدا ہوا تھا کہ ”ایران کا انقلاب بے شک ”اسلامی انقلاب“ ہے۔ مگر مطلق اسلامی نہیں بلکہ خاص ”شیعہ اسلامی“ شیعیت والا اسلام بھی قائم کرنا مقصود ہے اور خود شیعیت کو عالمِ اسلام، اور ہو سکے تو اس سے بھی آگے تک، برحاوی کرنا بھی! اس فیصلے میں اُن مشاہدات اور مطالعہ میں آنے والے حالات کے علاوہ جن کا ذکر اوپر آ گیا ہے کچھ دوسرے مشاہدات و مطالعات بھی دخیل تھے جن کا ذکر نہیں آیا اور اب یہاں آ جانا چاہیے۔

ا۔ بہشت زہراء کا منظر

ایران کے سالگرہی پروگراموں میں اگرچہ شیعیت کی کوئی بات بطور اظہار شیعیت کے سننے یا دیکھنے میں نہیں آئی۔ مگر مزارات و مقابر پر رائج جن مشرکانہ (یا جاہلانہ) رسوم کو آج بھی جو کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے ——— جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے ——— نیز ”بہشت زہراء“ نامی قبرستانِ تہران پر جو منظر دیکھا، جس کی زیارت سالگرہ کے پروگراموں میں سے ایک مستقل پروگرام تھی، وہ بھی شیعیت کے اس رنگ و رُخ کو

خوب خوب فروغ دینے کا تاثر دے رہا تھا جسے ابتداء کی اصل شیعیت کے مقابلے میں (جو محض ایک سیاسی وابستگی کا مسلک تھی) اگر کسی مثال سے سمجھایا جائے تو شاید ایک اچھی مثال اصل مسیحیت کے مقابلے میں پال کی ایجاد کردہ مسیحیت کی ہوگی جس کے اثر سے مسیحیت بھی خرافاتی عقیدوں اور مشرکانہ رسوم و اعمال کا مجموعہ ہو گئی ہے۔ ہم بہشت زہراء پہنچے تو واقعی یہ فارسی زبان کی "بہشت" (باغ اور چمن) ہی نظر آئی۔ اور مسلمانوں کے قبرستان والی حیاتِ دُنیا کی انجامی خزاں رسیدگی اور وحشت انگیزی کی شان کا اس بہشت میں گزر ہی مشکل پایا۔ یہ یوں تو تہران کا قدیم قبرستان ہے ہی۔ نئی اہمیت اسے یہ حاصل ہو گئی ہے کہ انقلابی حرکت کے دنوں میں جو ہزاروں ایرانی، زیادہ تر نوعمر و نوجوان شاہی مزاحمت کا نشانہ بنے وہ بھی یہیں دفن ہیں۔ قبرستان میں پختہ فرش کی سیکڑوں قطاریں دو رویہ انداز میں ہیں۔ ان ہی میں تھوڑے تھوڑے متناسب فصل کے ساتھ قبریں بنی ہوئی ہیں۔ اور قطاروں کے کنارے کنارے کچی زمین پر نیز قبروں پر اندر سرہانے پر گلاب اور دوسرے خوشنما پھولوں کے پودے اس پورے قطعے کو "بہشت" اور گل و گلزار بنا رہے ہیں۔ ہر جمعرات کی شام کو یہ سرزمین زیارت گاہ بن کر مُردوں کے ساتھ زندوں سے بھی بھر جاتی ہے۔ موتیٰ اور شہداء کے عزیز و اقارب فاتحہ اور ایصال ثواب اور درد بھری یادیں تازہ کرنے کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ ہماری زیارت کا دن بھی جمعرات ہی کا تھا۔ سینکڑوں تو ہم خود (مہمان) ہی تھے۔ سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں آنے والے اعزہ و اہل خانہ ہوں گے اور مزید سینکڑوں ہی میں ہم لوگوں کی وجہ سے ایک خاص موقع بن جانے کی بنا پر آنے والے رہے ہوں گے۔ اس طرح ہزار ہا ہزار کے مجمع سے یہ لق و دق قبرستان اِس جمعرات کی شام کو بھر گیا تھا۔ شہدائے انقلاب کے عزیزوں خصوصًا ماؤں بہنوں کی اشک ریزی اور سسکیوں سے اس وقت منظر بار بار رقت انگیز ہو جاتا تھا۔

بہر حال، یہ اور سب تو برسبیل تذکرہ آگیا ورنہ، جو بات کہنی تھی وہ یہ تھی کہ یہ قبرستانوں میں عورتوں کا ہفتہ وار ہجوم اور فاتحہ و نیاز کی مخصوص رسمیں جو انقلاب کے بعد کچھ زیادہ ہی فروغ پا رہی ہیں سب اُسی بعد میں بنائی گئی شیعیت ہی کے اجزا، تو ہیں جسے قرآن اور پیغمبر قرآن کے اسلام کے ساتھ زبردستی ہی جوڑا جاسکتا ہے۔ اور اس جوڑ میں قرآن اور اُس کے پیغمبر کا اسلام توڑ کا شکار ہوتا ہے۔!

۲۔ انقلاب مہدی کا حوالہ

یہ مقابر پرستی وغیرہ تو اپنے آپ کو سنّی کہنے والوں میں بھی بہت رواج پا گئی ہے۔ اور اگرچہ اس رواج پذیری میں بہت کچھ دخل شیعیت ہی کا نظر آتا ہے تاہم یہ صورت حال ایسی ہے جس کی وجہ سے ایران کے اس مشاہدے کو شیعیت ہی کی فروغ دہی کی علامت کے اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ البتہ ان علامات میں سے بہت نمایاں اور ایک طرح سے قطعی درجے کی کہلا سکنے والی علامت انقلاب کے سلسلے میں امام غائب (امام مہدیؑ) کا طرح طرح سے دہرائے جانے والا حوالہ ہے ـــــ انقلاب کے بعد سے ایران کے "انقلابی" لٹریچر کی اشاعت اور مفت تقسیم بتدریج بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اخبارات، رسالے، کتابچے اور پمفلٹ، ہر شکل میں یہ لٹریچر دستیاب ہے۔ پس جن حضرات کی نظر اس لٹریچر پر ہوگی اُنھیں تو کچھ خاص ضرورت اس کی مثالوں کی نہیں ہے۔ البتہ دوسرے لوگوں کے لیے یہ چند مثالیں اپنے مشاہدات کی ہیں۔

(الف) ہمارے پروگراموں میں ایک دن ایک "عالمی مقابلۂ حسن قرأت" کے افتتاح میں شرکت بھی تھی۔ اس افتتاحی جلسے میں افتتاحی نوعیت کی دوسری چیزوں کے ساتھ عربی اور فارسی کے دو ترانے بھی سامنے آئے جنھیں نو عمر طلبہ کی دو پارٹیوں نے پیش کیا۔ ان میں سے ایک کا بس پہلا شعر کچھ ادھورا سا اسوقت یاد آرہا ہے۔ اقبال کے ترانہ:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا ٭ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

کے رنگ میں تھا

الشرق لنا والغرب لنا، القدس لنا والمصر لنا
والعزّ لنا والمجد لنا ....

دونوں بڑے جاندار اور ولولہ انگیز تھے۔ اور تربیت یافتہ پارٹیوں کا ہم آواز ہوکر پڑھنا اور اثر خیز بنا رہا تھا۔ ان دونوں ترانوں کے درمیان میں جا بجا یہ پارٹیاں یکا یک اپنا ٹون بدل کر اور دعا کے سے ہاتھ اٹھا کر بڑے اونچے آہنگ میں یہ دعائیہ نغمے بلند کرتیں۔

الٰہی، الٰہی، تا انقلاب مہدی خمینی رانگہدار![1]
الٰہی، الٰہی، حتّٰی ظہور مہدی، احفظ لنا الخمینی[2]

(ب) جن دیواری کتبات کا اوپر کہیں ذکر آیا ہے، اُن میں بھی جا بجا ایسے کتبے دیکھنے میں آئے جو موجودہ انقلاب کو امام مہدی (امام غائب) کی آمد سے جوڑتے اور اسے "انقلاب مہدی" کا پیش خیمہ اور اس کے آغاز ہونے کا تصوّر دیتے تھے۔

(ج) اس سلسلے کی سب سے زیادہ واضح اور مکمل چیز قُم کے سفر میں جناب آیت اللہ المنتظری کے دولت کدہ پر سامنے آئی۔ یہ ایک منقش کتبہ تھا جو وزارت تعلیم کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ منتظری صاحب جس وقت مہمانوں سے خطاب فرما رہے تھے، تو یہ خطاب جب بہت طویل ہوگیا اور میں بہت خستہ ہو رہا تھا تو گوشۂ آرام ڈھونڈنے کی غرض سے اپنی نشست والے کمرے سے ملحق پچھلے کمرے میں چلا گیا جو کچھ خالی سا تھا۔ یہاں داخل ہوتے ہی سامنے ایک محرابی کارنس پر ایک نقش دار کتبہ نظر آیا جو توجہ کش ہوا۔ یہی وہ کتبہ تھا۔ اس کتبہ کی عبارت اور اس پر بنے نقش کی صورت اس وقت نوٹ کر لی تھی جو اس طرح تھی۔

---

[1] اے اللہ اے اللہ امام مہدی کا انقلاب آنے تک خمینی کی حفاظت فرما۔
[2] اے اللہ اے اللہ مہدی کے ظہور تک خمینی کو سلامت رکھ۔

تا انقلابِ مہدی
انقلاب ادامہ دارد

اَللّٰہُ اَکْبَرُ

خانۂ کعبہ کا نقشہ
یا کہیئے فوٹو

تولّدِ امام زمان (ع)؛
بر مستضعفانِ جہان
مبارک باد

وزارتِ فرہنگ و آموزش عالی
ادارۂ کل فرہنگ سیستان و بلوچستان

[جو ناظرین فارسی بالکل ہی نہیں جانتے اُن کے لیے اس کتبہ کی تینوں فارسی عبارتوں کا ترجمہ یہ ہے:۔ (۱) یہ انقلاب، انقلاب مہدی تک باقی رہنے والا ہے۔ (۲) امام زمان (امام مہدی) کی ولادت دنیا کے تمام کمزور (اور پسے ہوئے) طبقوں اور قوموں کو مبارک ہو۔ (۳) (شائع کردہ) وزارتِ تعلیم و تربیتِ عُلیا ——— ڈائریکٹریٹ شعبۂ تعلیم سیستان و بلوچستان۔]

کتبہ کی مذکورہ عبارتوں میں سے نمبر ایک میں "انقلاب مہدی" کا لفظ آیا ہے، جیسے کہ کتبہ سے پہلے والے نمبر (الف) میں یہی لفظ یا اس کا ہم معنی "ظہور مہدی" کا لفظ آیا تھا۔ مگر عبارت نمبر ۲ میں "تولّد امام" کا لفظ ہے۔ امام مہدی کے ظہور یا اس ظہور کے نتیجے میں رونما ہونے والے انقلاب سے تو اِس وقت کے انقلاب (انقلاب خمینی) کا جوڑ سمجھ میں آجاتا ہے۔ مگر ولادتِ مہدی کے حوالے کی کیا مناسبت ہے؟ اس کی شرح اگلے نمبر میں آتی ہے۔

(۳) اس سلسلے کے مشاہدات و معلوماتِ سفر سے تو یہی دو مثالیں قابلِ ذکر تھیں۔ تیسری مثال معلومات و مشاہداتِ سفر سے باہر کی ہے۔

امام مہدی کے شیعی تصوّر کو واحد اسلامی تصوّر بنانے کی کوشش

سفر کے تین ماہ بعد ۱۳ رمئی ۱۹۸۲ء کے انگریزی روزنامے تہران ٹائمز میں پڑھا کہ ایرانی کیبنٹ نے آیت اللہ منتظری کی تجویز پر ۱۵ رشعبان (مطابق ۸ رجون ۱۹۸۲ء) کو —— جو کہ امام مہدی کا یوم ولادت ہے —— مُستَضعَف ڈے کے طور سے منائے جانے کا فیصلہ کر کے ایک بین الاقوامی کانفرنس اس موقع پر منعقد کرنا طے کیا ہے۔ چنانچہ اسی اخبار کی ۷ رجون کی اشاعت کے مطابق ۱۰۱ ملکوں کے ۲۵۰۰ نمائندہ وفود پر مشتمل یہ مستضعف ڈے (OPPRESSED DAY) کانفرنس (۸ رجون کے بجائے ۷ رجون ۱۹۸۲ء) ۱۵ رشعبان کو تہران میں ہوئی۔

امام زماں کے یوم ولادت کو "یوم مستضعفین" کے طور سے منائے جانے کی مناسبت یا معنویت کیا ہے؟ اسی اخبار تہران ٹائمز نے اپنے ۷ رجون کے اداریہ میں خوب وضاحت سے اس پر روشنی بھی ڈالی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام زماں امام مہدی جو کہ اس وقت پردۂ غیبوبت میں ہیں جب ظاہر ہوں گے تو اُن کا ظہور چونکہ عالمِ اسلامی کے نجات دہندہ کی حیثیت سے ہوگا اور ایک انقلاب عظیم وجود میں آئے گا جو ظلم وستم کی ماری ہوئی دنیا کو عدل وانصاف کی نعمت سے مالا مال کرے گا' اس لیے ایسے مسیحا کا یوم ولادت بہت ہی بجا طور پر اس کا مستحق ہے کہ اسے کُل عالمِ انسانی آج کے ستم پرور ماحول میں عدل وانصاف سے محروم انسانوں کی خوشخبری کے لیے "مستضعف ڈے" کے طور پر منایا کرے۔

پس ایک طرف تو امام غائب کا حوالہ اس طور پر آرہا ہے کہ موجودہ انقلاب (انقلابِ خمینی) اُنھیں کے ذریعہ برپا ہونے والے انقلابِ کامل کا پیش خیمہ اور آغاز ہے۔ اُن کا کام اس کی تکمیل ہوگا۔ حتّٰی کہ ایرانی کیبنٹ یا کسی دوسرے شعبۂ

قیادت کے ایک ذمہ دار کا بیان اسی تہران ٹائمز میں امام صاحب کی خرابیٔ صحت یا ریٹائرمنٹ کی قیاس آرائیوں کی تردید میں پڑھا تھا ـــــ جسکی کٹنگ اس وقت باضابطہ حوالہ کے لیے نہیں مل رہی ہے ـــــ اس تردید کے سلسلہ میں انھوں نے فرمایا تھا کہ امام صاحب تو ان شاء اللہ انقلاب کا جھنڈا امام زماں کے حوالے کرکے اس امانت سے دست بردار ہوں گے۔ اور اب دوسرا پہلو اس حوالے کے لیے یہ پیدا کیا گیا ہے کہ اُن کے یوم ولادت کو ہر سال "مستضعفین ڈے" کے طور پر منایا جائے"!

کعبے کو بھی آزاد کرایا جائے گا

ان تمام باتوں کے پس منظر میں، جن میں سے کچھ نمبروار ابھی عرض کی گئیں، اور کچھ اپنی اپنی جگہ پہلے آگئی ہیں، ایک دن تہران کے مہمان خانہ بزرگ الاستقلال ہوٹل میں، جہاں دیواروں پر تو نہیں لکھا جا سکتا تھا اس لیے انقلاب کے مزاج اور عزائم کا اظہار کرنے والے اور اسی مزاج کی طرف کھینچنے والے بینر دکپڑوں کے کتبات) جگہ جگہ آویزاں تھے، ایک دن ایک اچھی طرح نمایاں نئے بینر کا اضافہ ہم نے دیکھا۔ اور یہ اپنے انداز کا بالکل ہی منفرد اور یکتا تھا۔ اس کی عبارت (عربی میں) تھی۔

سَنَتَّحِدُ وَ سَنَتَلَاحِمُ حَتّٰى نَسْتَرِدَّ مِنْ اَيْدِي الْمُغْتَصِبِيْنَ

اَرَاضِيْنَا الْمُقَدَّسَةَ اَلْقُدُسَ وَالْكَعْبَةَ وَالْجُولَانَ۔

جس کا ترجمہ ہوتا ہے "ہم متحد ہوں گے اور جنگ آزما ہوں گے۔ یہاں تک کہ غاصبوں کے قبضے سے اپنی مقدس زمینیں، بیت المقدس، کعبہ اور گولان واپس لے لیں"۔

اس کے کافی دیر میں لگنے کی وجہ کیا تھی؟ جو کچھ بھی واقعہ میں ہو لیکن ایک گمان تو بہرحال یہ کیا جا سکتا تھا کہ چند دن گزر جانے پر مہمانوں کے مجمع کی فضا کا اندازہ یہ کیا گیا کہ نظر قبول و پسند ہی سے دیکھا جائے گا۔ اور جو مجمع تھا واقعی اس میں کوئی ہلچل تو کیا سرسراہٹ بھی نہیں دیکھنے میں آئی۔ ویسے اپنے اندازے میں، جو بہت وسیع مطالعے اور جائزے پر مبنی نہ تھا، پچاسوں آدمی تھے جو اس پر ہل جاتے۔ مگر ان میں اکثریت عربی نہ جاننے والوں کی تھی اور جو ایسے عربی داں میری نظر میں تھے وہ اتفاق

ہے جیسا کہ بعض طبیعتیں ہوتی ہیں، کچھ مغفل قسم کے۔

اس اعلان کے مضمرات

بہرحال اس بینر کے آویزاں ہونے کے بعد جوں ہی میری نظر اُس پر پڑی، حجاج ایران کی نعرہ بازی حرمین یاد آگئی اور خمینی صاحب کا شاہ خالد کو جواب، اور اب اوپر کے بیان کردہ پورے پس منظر کو اس بینر کے ساتھ رکھتے ہوئے، کسی ہلکے سے ہلکے شبہے کی بھی گنجائش اس میں نہیں رہی کہ حرمین بشمول کل عالم اسلام، پر شیعی تسلّط اس انقلاب کا ایک قطعی ہدف ہے۔ اور دوسری بات، کہ انقلاب "اسلامی" تو ہے مگر خالص شیعی اسلام کے معنیٰ میں —— نہ صرف ایران کے لیے، بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے —— نہ کہ ایسے مطلق اور وسیع اسلام کے معنیٰ میں، جس میں شیعیت کے دوش بدوش سنّی اسلام کو بھی اپنے علاقوں میں برسرِ اقتدار آنے کی اجازت ہو —— یہ دوسری بات —— اس آخری چیز (بینر) کے سامنے آنے سے پہلے ہی صاف ہو چکی تھی جس کا اظہار اوپر کیا جا چکا ہے۔

اور اب اس دوسری چیز کی صفائی و قطعیت روز بروز زیادہ ہی ہوتی چلی جا رہی ہے۔

تہران ٹائمز کے اداریے کی شہادت

اسی ۷ر جون ۸۲ء کے تہران ٹائمز کے اداریہ کے جتنے حصے کا خلاصہ اوپر دیا گیا ہے اُس میں بھی یہ بات موجود ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی اس طرح کا کافی مواد اس اداریے میں پایا جاتا ہے۔

عٰلہ اور اس تاثر کے بعد ذہن کے لیے عراق سے جنگ بند نہ کرنے، اور اس کو جاری رکھنے پر اصرار میں اس کی بھی پرواہ نہ کرنے کی وجہ، کہ کس قدر غیر معقول اور قطعاً غیر اسلامی پوزیشن میں اس اصرار نے ایرانی قیادت کو رکھ دیا ہے، صرف یہی نہیں رہ گئی کہ عراق پر شیعہ تسلط مقصود ہے، بلکہ اُس کے ساتھ یہ بھی کہ عراق پر تسلط ہی سے حجاز اور اس کے قرب و جوار پر تسلط کا راستہ کھلتا ہے، جو آخری اور وسیع تر نشانہ ہے۔

اس اداریے کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ یہ ایک سو ایک اسلامی اور غیر اسلامی، ایشیائی اور افریقی ملکوں کے تین سو پچاس نمائندہ وفود کی تہران کے اندر موجودگی میں اور ان کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اس کے جس حصّہ کا خلاصہ اوپر دیا گیا اس میں امام مہدیؑ کی بابت اُن کی غیبوبت اور پھر غیبوبت سے ظہور کا حوالہ موجود ہے جو صرف شیعی تصوّر ہے، جو اہل سنّت کو قطعاً قبول نہیں۔ پھر اسی حصّے میں جو اُن کے ظہور کی خبر کو مستضعفینِ عالم کے لیے ایک مژدہ و بشارت بتایا گیا ہے۔ اُس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ٹھیرائی گئی ہے:-

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ	اور ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ اُن لوگوں
اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ	پر احسان کریں جو زمین میں کمزور بنائے
أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝	گئے ہیں اور ان کو امام بنائیں اور
(القصص-۵)	وارث بنائیں۔

اہل سنت کے یہاں اس آیت کا امام مہدی کے ظہور (بہ معنیٰ تولّد، جس کے وہ قائل ہیں، یا بہ معنیٰ ظہور بعد از غیبوبت، جو شیعہ عقیدہ ہے) سے نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کی نظر میں یہ استدلال شیعہ تفسیر کا ایک افسوسناک نمونہ اور تفسیر قرآن میں ایک ایسی جسارت ہے کہ اللہ کی پناہ۔

ہمارے موضوع کی نظر سے تو آیت کے بارے میں اہل سنت کے موقف کا بس اتنا مختصر بیان ہی کافی تھا۔ مگر کلام الٰہی کی اہمیت و عظمت کے پیش نظر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اتنی مختصر بات پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ آیت کے مفہوم اور اُس کے متعلقہ موضوع پر اس حد تک روشنی ڈالی جائے کہ ایک قاری پورے اطمینان اور بصیرت کے ساتھ فیصلہ کر سکے کہ واقعی مفہوم اور موضوع کیا ہے! اس لیے گزارش ہے کہ:-

یہ آیت سورۂ قصص (پ۲۰) کی پانچویں آیت ہے۔ اس سورہ میں جیسا کہ اس کا نام "قصص" بھی بتا رہا ہے، گزشتہ زمانے کا ایک قصّہ بیان ہوا ہے اور وہ قصہ حضرت موسیٰ

اُن کی قوم، فرعون اور آلِ فرعون کا قصہ ہے۔ پہلی چار آیتیں یہ ہیں۔

طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

(ترجمہ) طٰسٓمّٓ ۝ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب (قرآن) کی۔ ہم تمھیں موسیٰ اور فرعون کی سرگزشت کا کچھ حصہ ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں۔ فرعون نے ملک میں بڑی سرکشی اختیار کر لی تھی اُس نے اُس کے باشندوں کو طبقوں میں بانٹ دیا تھا۔ (اور) اُن میں سے ایک طبقے کو دباتا تھا، (اس بری طرح) کہ اُن کے بچوں کو قتل کر ڈالتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ کیا شبہ ہے کہ وہ فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔

یہ اُس زیرِ بحث پانچویں آیت سے پہلے کی چاروں آیتیں ہیں جس کا ترجمہ یہ تھا:
(اور ہم نے ارادہ کیا تھا کہ اُن غریبوں پر احسان کریں جنھیں دبا لیا گیا تھا اور ان کو ائمہ (پیشوا) اور وارث بنائیں۔) ــــــ اور اسی کے ساتھ آگے کی چھٹی آیت اور اس کا ترجمہ بھی پڑھ لیجیے جو در اصل پانچویں آیت کا تتمہ ہے اور بات اسی پر پوری ہوتی ہے۔

وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ	اور دکھائیں ہم فرعون وہامان اور اُن
وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا	دونوں کی فوجوں کو اِن (غریبوں) کی
يَحْذَرُوْنَ ۝	طرف سے وہ بات جس کا اُنھیں ڈر تھا۔

آیتوں کا یہ پورا سلسلہ پڑھنے کے بعد کیا اس میں کسی بھی شبہے اور تردد کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ یہ ایک انتہائی حیرت انگیز جسارت اور جراُت ہے کہ ان آیتوں میں کسی امام غائب کا اور آئندہ کسی زمانے میں اُس کے ظہور اور ظہور کی برکتوں کا تذکرہ اور بشارت وخردہ بتایا جائے؟ ــــــ "مستضعف ڈے" منانے سے کون منع کر رہا ہے؟ مگر کیا اس کے لیے شیعی احادیث کے ذخیرے کی روایات کافی نہیں ہیں؟ اور "امام مہدی" کے

مشترک نام کو لیکر کیا خود سنیوں کے یہاں کی روایات سے بھی یہ فائدہ اس مقصد کے لیے نسبتاً آسانی سے نہیں اُٹھایا جاسکتا کہ قرآن کے ساتھ ایسی ناروا جرأت کا ارتکاب کیا جائے؟

اب اصل گفتگو کی طرف واپس آجائیے، کہ ایران ہی نہیں عالم اسلام اور کل عالم انسانی کے دائرے میں بھی اسلام اور اسلامی انقلاب کی بات خالص شیعی تصورات کی زبان میں اور اس طرح کی جاتی ہے جیسے کہ یہی واحد، یا کم از کم مستند، اسلام اور اسلامی انقلاب کا تصور ہو۔ اور ایران کی رہنمائی میں دنیا بھر کے مسلمانوں اور کل دیگر انسانوں کو اسی کے مطابق گامزن کرنا مقصود اور مطمح نظر ہو ـــــــ اور ظاہر ہے کہ یہ کام کسی نہ کسی مرحلے پر حقائق کی غلط اور مغالطہ آمیز ترجمانی بھی چاہے گا۔ چنانچہ اس سے بھی گریز نہیں ہے۔ لہذا تہران ٹائمز کا یہی اداریہ اس کی بھی ایک مثال اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ کہا گیا ہے کہ:۔

" It can be safely concluded that almost all sects unanimously agree to and believe in formation of a single world government under the leadership of Saviour Mahdi ".

پورے اطمینان کے ساتھ یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ تقریباً تمام ہی (اسلامی) فرقے اس بات پر متفق اور اس کے قائل ہیں کہ پوری دنیا کا ایک واحد نظام حکومت امام مہدی "نجات دہندۂ عالم" کی سربراہی میں قائم ہو۔

یہ بات مسلمانوں کے قابل لحاظ فرقوں کی حد تک بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن کیا ان فرقوں کا "مہدی" ایک ہی ہے؟ کیا حقیقت یہ نہیں ہے؟ کہ اہل سنت کو اہل تشیع کے "مہدی" سے کوئی سروکار نہیں اور نہ وہ ایک منٹ کے لیے اس میں عقیدہ رکھتے ہیں! اور علیٰ ہذا نہ اہل تشیع کو اہل سنت کے "مہدی" سے مطلب ہے جو ۲۵۵ھ ہی میں پیدا ہو کر کسی غار میں غیبوبت کی زندگی اپنے وقتِ ظہور کے انتظار میں نہیں گزار رہا ہے۔ بلکہ

وہ اپنے ظہور (بہ معنی شناخت) اور اپنے مشن کی انجام دہی کے قریبی زمانے ہی میں پیدا ہوگا! پھر نام اور لقب کے اشتراک سے فائدہ اٹھا کر اس اختلافی حقیقت کو کیوں چھپایا جا رہا ہے؟ جو مبینہ "اتفاق" کو بالکل بے حقیقت کر دیتی ہے!

اسی مغالطہ آمیزی کا سہارا لیکر اور محض شیعہ تصور کے مہدی کے حق میں کل مسلمانوں کا ذہن استوار کرنے ـــــــ اور بایں طور اُنھیں ایرانی دعوتِ انقلاب کی خدمت و نصرت پر کھڑا کرنے ـــــــ کے لیے یہ اداریہ مزید کہتا ہے کہ

(ترجمہ) اب ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات اور اس کی خواہشات پر فتح پانے کا لازمی فریضہ پورا کرے اور (پھر) جباروں کے خلاف ایک مسلسل جنگ میں کود پڑے تاکہ سوسائٹی میں انسانیت کے نجات دہندہ، امام مہدی کے ظہور کی راہ ہموار ہو سکے۔"

ایرانی انقلاب اور اُس کی عالمی توسیع کی دعوت کا منتہائے مقصود، اس اداریہ کی روشنی میں واضح طور پر صرف یہی قرار پاتا ہے کہ امام مہدی (امام غائب) کے ظہور کی راہ ہموار کی جائے ـــــــ اور یہی چیز "مستضعف ڈے" منانے کی قرارداد میں بھی کام کر رہی ہے (اس کا اشارہ جناب آیت اللہ منتظری کے دولت کدہ پر ملنے والے کتبے سے بھی ملا تھا اور اس کے علاوہ امام مہدی کے حوالے کے جن دوسرے طریقوں اور موقعوں کا ذکر اوپر آچکا ہے، اُن سے بھی) چنانچہ ابھی گزرے اقتباس کے علاوہ یہ اداریہ مزید کہتا ہے کہ:

"مسلمانانِ عالم اور محروم دنیا آسودہ عوام کو چاہیے کہ (امام مہدی کے یوم ولادت کے) ایسے مسرت آفریں موقع پر، حضرت امام مہدی کے اُلوہی (DIVINE) کے اس اساسی مرکز[1] (BASE) کے ماتحت، ایک چھتری کے نیچے متحد ہو جائیں اور نجات دہندہ کی آمد کے لیے زمین تیار کرنے میں انتھک طور سے کوشاں ہوں۔"

---

[1] ایران مراد ہے۔

اگلے پیرے میں اوپر والے پیرے کا مدّعا بالکل ہی کھول کر رکھ دیا گیا ہے، لکھا ہے :-

"روئے زمین کے تمام گوشوں میں بسنے والے انسانوں کو چاہیے کہ ایران سے (جس کے ولی و مولیٰ ——— MASTER ——— جیسا کہ ہمارے انقلاب کے لیڈر کا ارشاد ہے، امام زماں حضرت مہدی ہیں) سبق حاصل کریں اور اس ملک کو اس امر میں امنگ و حوصلے کی فیضان بخشی کا سرچشمہ تصور کریں کہ ذات قدس اور قدسی صفات (DIVINE[1]) کی طاقت اور مدد پر تکیہ کر کے کس طرح بڑی کی طاقتوں کا جادو توڑا جا سکتا اور نوع انسانی کے نجات دہندہ کی آمد کے لیے میدان ہموار کیا جا سکتا ہے :"

---

[1] اس لفظ کا جو ترجمہ یہاں کیا گیا ہے اُس کے پیچھے امام خمینی صاحب کے خطابات میں نظر پڑنے والی یہ بات ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر صرف خدا ہی کی مدد کا حوالہ نہیں دیتے ہیں بلکہ امام زماں کی مدد کا بھی - اور ادارے میں چونکہ سیدھے سیدھے لفظ GOD یا ALLAH کے بجائے DIVINE استعمال کیا گیا تھا جس میں اللہ اور "اللہ والے" دونوں آ جاتے ہیں اس لیے میں نے یہی سمجھا ہے کہ لفظ کا یہ انتخاب امام صاحب کی لائن ہی میں رہنے کا ایک انداز ہے۔ امام صاحب کے بارے میں جو بات کہی گئی، اگر اس کے لیے کسی حوالے کی ضرورت ہو تو فی الوقت میرے سامنے یکم مئی سنہ ۸۲ء کا یہی تہران ٹائمز ہے جس میں امام صاحب کے ایک خطاب (انٹرنیشنل لیبر ڈے، یکم مئی کے موقع پر مزدوروں سے خطاب) کا ترجمہ چھپا ہے - اسی میں ایک جملہ ہے:

" And I hope by trusting in the blessed and Supreme Lord, and by getting support from the absent Ruler of this nation, the absent Imam of our time (May God expedite his appearance) you will succeed in reaching this goal, and you will."

(ترجمہ) اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر اعتماد سے اور اس قوم کے حاکم غائب یعنی ہمارے عہد کے امام غائب (اللہ اُن کے ظہور کو معجّل فرمائے) کی مدد سے آپ لوگ یقیناً اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

تہران ٹائمز کے اس اداریہ کو پڑھ کر، بالخصوص اس کا موقع و محل بھی ذہن میں رکھتے ہوئے کہ دنیا بھر کے مسلم اور غیر مسلم نمائندوں کے تہران میں اجتماع کے موقع پر لکھا گیا ہے، یہ حقیقت بظاہر کسی بھی شک و شبہ کے قابل اور مزید تحقیق کی محتاج نہیں رہ جاتی کہ ایران کا "اسلامی انقلاب" جو شروع میں اپنے اصل ہدف کے اعتبار سے بہت وسیع ذہن کا حامل اور فرقہ وارانہ تصورات سے بالاتر نظر آتا تھا، واقعہ میں اس کے برعکس خالص اور مکمل طور سے شیعی ذہن کا حامل ہے۔ اور اس کی عالمی توسیع کی دعوت و جد و جہد بھی بلا کسی فرق کے اپنے اندر یہی ذہن رکھتی ہے! اس اداریہ کو سامنے لائے جانے سے پہلے جن قرائن و شواہد کی نشاندہی کی گئی تھی، وہ بھی اس حقیقت کو سمجھا دینے کے لیے اپنی حد تک کچھ کم نہ تھے۔ لیکن اگر کسی کے لیے کچھ کمی تھی تو وہ اس اداریے نے ضرورت سے بھی زیادہ پوری کردی ہے۔ اور اب اس معاملے میں غور و فکر اور تحقیق و تجسس کی بساط قطعی طور سے لپیٹ کر رکھی جا سکتی ہے۔

انقلاب کے کچھ اور پہلو

اور اب اس پہلو سے ہٹ کر اس انقلاب اور اس کے کردار کے کچھ اور پہلوؤں پر ہم نظر کرنا چاہتے ہیں۔

ا کمیونسٹ اور سوشلسٹ برادری سے خصوصی ناتہ

ان دوسرے پہلوؤں میں "مستضعف ڈے" کے ذکر کی مناسبت سے، جو ابھی ہوا سب سے پہلے نمبر پر اس بات کو لے لینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ "اسلامی انقلاب" جو عملاً اگرچہ نہیں، مگر قولاً روس اور اس کے اشتراکی حلقے کا بھی اتنا ہی دشمن نظر آتا ہے جتنا امریکہ اور اس کے سرمایہ دارانہ اور ملوکانہ حلقے کا، اس کی آغوش کمیونسٹ ملکوں (بشمول خود روس) کے لیے کیونکر اور کیسے اس قدر وسعت اور اپنائیت کے ساتھ کھلی ہوئی ہے کہ مختلف اور پے در پے تقریبات میں جس طرح اسلامی دنیا کے وفود کو دعوت دی جاتی ہے

بالکل اسی طرح کمیونسٹ اور اشتراکی دنیا کے وفود بھی بلائے جاتے ہیں؟

"مستضعفت ڈے" کے سلسلے میں ایک سو ایک ملکوں کے وفود کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ اس کی خبر میں تصریح ہے کہ یہ صرف "اسلامی" نہیں بلکہ اُن کے ماسوا بھی "ایشیائی اور افریقی" ملکوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ تقیین کرنا غلط نہ ہو گا کہ صرف ایشیائی اور افریقی غیرمسلم ہی نہیں بلکہ یورپ اور جنوبی امریکہ کے کیمونسٹ اور سوشلسٹ ملکوں یا ان میں سے جہاں حکومت کیمونسٹ یا سوشلسٹ نہیں ہے وہاں کی ایسی تحریکوں کے وفود بھی رہے ہوں گے۔ کیونکہ یہ تو "انٹرنیشنل لیبر ڈے" کے وزن پر ایک "انٹرنیشنل مستضعفت ڈے" کی تقریب تھی جو اس وسیع دعوت کے لیے عین موزوں تھی، ہم نے گزشتہ سال جس "تقریب انقلاب کی تیسری سالگرہ کے جشن" میں شرکت کی تھی، اس میں بھی اسی وسعت کے ساتھ مدعو وفود اور افراد پائے گئے تھے۔ اُن دنوں کے جو ایرانی اخبارات آج بھی فائل میں رکھے ہوئے ہیں اگر ورق گردانی کی جائے تو ان میں سے بہت سے ملکوں کے وفود کا حوالہ وہاں مل جائے گا۔

بہرحال یہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ ملکوں یا تحریکوں کے وفود دنیا کے کس خطّے کے ہوں اور کس کے نہ ہوں، اصل بحث اس سے تو ہے نہیں، بلکہ صرف اس سے ہے کہ یہ وفود بھی مسلمان وفود کی طرح ایرانی انقلاب کی تقریبوں میں بار پاتے ہیں۔ گزشتہ سال کی تقریب کے موقع کے کیمونسٹ رومانیہ، بلغاریہ، یوگوسلاویہ اور خود روس کے وفود سے ملنا آج تک اچھی طرح یاد ہے۔ اور رومانیہ کے وفد کے ایک رکن کا تو کارڈ بھی، اس وقت کی ملاقاتی یادگاروں کے کارڈوں میں پڑا ہوا ہے، یہ صیغۂ امور مذہبی کے ڈائرکٹر JON POPESEU تھے۔

یہ بھی غلط فہمی نہ ہو کہ ان وفود کے سرے سے بلائے جانے ہی پر اشکال ہے۔ نہیں! اس میں بڑی اچھی، خالص اسلامی مصلحت اور حکمت بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ انھیں "اسلامی انقلاب" کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ اور خاص طور پر اُن کی نظر میں جس انسانی مسئلہ کی سب سے زیادہ اہمیت ہے، یعنی نوع انسانی کی اونچے اور

نیچے، بے وزن و بدحال اور باوزن و خوشحال اور بے آواز اور بااختیار طبقوں میں عام طور سے پھیلی ہوئی تقسیم اور اُس کو مٹا دینے کی کوشش۔ یہ لوگ آئیں اور دیکھیں کہ ایران کا اسلامی انقلاب اس مسئلہ کو کس قدر اہمیت دے رہا ہے۔ اور مذہب سے جو ان لوگوں کو اس خیال کی وجہ سے بھی دوری اور چڑھ ہو گئی ہے کہ یہ اس تفریق و تقسیم کا حامی و مددگار رہا ہے، کم از کم اسلام کے بارے میں انھیں معلوم ہو کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام کسی سے بھی کم غریبوں اور مزدوروں کا حامی نہیں ہے!

اشکال کیا ہے؟

یہ بلاشبہ بڑی اچھی حکمت و مصلحت ہے۔ مگر کیا اسلام کے لیے بھی یہی مسئلہ سب سے اہم ہے، جیسے کہ کمیونزم اور سوشلزم کے لیے ہے؟ اور کیا یہ اسلامی انقلاب کا صحیح تصور ہوگا جو ہم غیر مسلموں کو دیں؟ ہمارے نزدیک اس کا جواب قطعی نفی میں ہے! اور یہی باعثِ اشکال ہے کہ ایک "اسلامی انقلاب" کیونکر اس کو صحیح سمجھتا ہے کہ اسلام کے بارے میں اس تصور کا موقع لوگوں کو دیا جائے؟ خاص طور پر ان لوگوں کو جو پہلے ہی سے اسے انسان اور انسانیت کا سب سے اہم کیا، واحد مسئلہ سمجھنے پر مطمئن ہو چکے ہیں!

ہمیں نہ ایران میں اس طرح کے مہمانوں کے ساتھ قیام اور ہر طرح کے پروگراموں میں شرکت کے موقع پر یہ محسوس کرنے کا کوئی موقع مل سکا کہ اسلام اور اسلامی انقلاب کی اصل روح اور اُس کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی مقصد ان لوگوں کے سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہو، اور نہ اس طرح کے دوسرے مخلوط اجتماعات کی خبروں اور رودادوں سے کبھی ایسا اندازہ ہو سکا۔ اس طرزِ عمل کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اسلام اور اسلامی انقلاب کے ایسے تعارف کی شکل میں ہی ظاہر ہو سکتا ہے جو بالکل ناقص اور اس بنا پر گمراہ کن ہے۔

حتیٰ کہ امام صاحب کے خطابات

امام خمینی صاحب کے جو خطابات آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ اور ایرانی اخبارات میں اُن کا پورا متن شائع ہوتا ہے عہ، اُن میں یہ تو حقیقت ہے کہ اللہ پر توکل، اُس کی

عہ اور برطانیہ میں دستیاب ہونے والے ایران کے انگریزی اخبارات ان خطابات کا پورا ترجمہ شائع کرتے ہیں۔

کارسازی اور کامل و مطلق قدرت پر یقین، اُس کی اطاعت اور تقویٰ و طہارت پر حسب موقع بڑا زور ہوتا ہے اور کوئی کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی مسندِ ولایت (اقتدار) سے جس اونچے پیمانے پر اللہ کا کلمہ (لغوی معنیٰ میں) بلند کیا، اور جس شدو مد اور کثرت سے اس کلمے کو دہرایا ہے، اور اطاعتِ خدا و رسول ہی کو ہر کامیابی کی کلید بتایا ہے، اس کی مثال آج کی مسند ہائے اقتدار میں کہیں بھی نہیں ملتی ——— لیکن تقویٰ و طہارت اور اطاعت خدا و رسول کے اس پر زور حوالے سے اُن اعمال و عادات کی تلقین جن کی متعین اور مشرّح و مفصّل طور سے تعلیم و تلقین ہمیں اسوۂ رسالت میں ملتی ہے، اور جن سے انسان کی روز مرّہ زندگی میں تقویٰ و طاعت کی باطنی کیفیات کو عملی اور ظاہری شکل حاصل ہوتی ہے۔ ہماری محدود نظر سے اُن متعین اعمال و عادات کا حوالہ یاد نہیں آتا کہ کبھی امام صاحب کے خطابات میں گزرا ہو۔ اور اتنا تو پورے اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ عام طور سے بہرحال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس پر زور دعوتِ طاعت اور تلقین توکل علی اللہ اور گرمجوشیٔ اسلام و ایمان کی تان بالعموم سامراجی طاقتوں، خصوصاً امریکہ اور اُس کے حلقۂ اثر والی حکومتوں کے خلاف اور اب جب سے صدّام نے فوج کشی کی حماقت کی ہے اُس وقت سے زیادہ تر اُس کے اور اُس کی فوج کے خلاف سرگرمیٔ عمل، اور استقامت و جانبازی دکھانے اور انقلاب کی حفاظت میں ہمہ دم مستعد رہنے پر ٹوٹتی ہے۔ اور یا "مستضعفانِ جہان" کا غم کھانے اور اپنے ساتھ اُنھیں بھی کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا کرنے اور جبّارانِ عالم کے خلاف ایک نئی عالمی تحریک پیدا کرنے پر! رہے وہ اعمال و عادات جنھیں وحیٔ الٰہی اور پیغمبرانِ حق اور اُن کے خاتم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی (انفرادی اور اجتماعی) کے لیے صلاح و خیر کا سرچشمہ اور اس کے تزکیے اور درستیٔ رُخ کی اساس قرار دے کر اول و آخر اُنھیں کو سب سے زیادہ یاد دلایا۔ اور کسی بھی حالت میں اُن کی تذکیر و یاد دہانی کا پلّہ نہ دبا کر یہ اچھی طرح بتا اور جتا دیا کہ ان کے بغیر اسلام اور دین کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، اور انبیاء (علیہم السّلام) جس اصلاح اور انقلاب کے لیے آتے

ہیں اُس کا، ایک لمحہ کے لیے بھی، ان اعمال و عادات کی فکری اور عملی اہمیت ملحوظ رکھے
بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ان اعمال و عادات کی تلقین و ترغیب کا خمینی صاحب کے
خطابات میں پتہ ہی نہیں چلتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری مدنی زندگی جس ہمہ دم رزم و پیکار اور
چو طرفہ دشمنوں سے معرکہ آرائی میں گزری اُس سے کون وہ شخص ناواقف ہے جو اس دور
کے اوراق سیرت سے اجمالی آشنائی بھی رکھتا ہے۔ مگر میدان جنگ ہو یا مسجد نبوی
کا منبر جہاں خطبہ ارشاد فرمایا، ایک ایک خطبہ کو، جو آج ملتا ہے، پڑھ کر دیکھ لیجیے۔
ان سطروں کے راقم کو تو (اپنی کم علمی کے پورے اعتراف کے ساتھ) مشکل سے کہیں
خیال آتا ہے کہ آپ نے دشمنوں کے خلاف جذبات انگیزی کا کوئی جملہ فرمایا ہو۔ جبکہ
یہ خطبے اپنے اندر کے دشمن کے خلاف ـــــــ جو غفلت بھی ہو سکتی ہے، اور سستی بھی
اور شیطان کی اثر اندازی سے لاپروائی بھی ـــــــ آگاہی سے اور انذار سے
بھرے ہوئے اور اُن ایمانیات اور مثبت و منفی عملی اور اخلاقی فرائض (اوامر و نواہی)
کی یاددہانی سے لبریز ملتے ہیں جن کے دھیان اور اہتمام پر انسان کی اپنی ذاتی صلاح
و خیر اور کامرانئ آخرت بھی موقوف ہے اور اجتماعی زندگی اور پورے نظامِ
عالم کا صحیح رُخ بھی۔

اِن خطبوں میں میدان حشر کی تصویر کشی ہے۔ جنت و دوزخ کا بیان ہے۔ اُن
اعمال و اخلاق کی تذکیر ہے جو جنت یا دوزخ کا وارث بنائیں گے۔ عموماً سب سے
پہلے نمبر پر نماز پھر روزہ، زکوٰۃ، حج اور مجموعی طور سے عبادات، ڈھکے اور کھُلے
میں اللہ سے خوف کی تلقین، امانت داری کی اہمیت، انسانی اور غیر انسانی تمام مخلوقات
کے بارے میں احساس ذمہ داری کی یاددہانی، پڑوسیوں کی خبر گیری کے فرائض، صدقا
و خیرات کے فضائل، حسن اخلاق کی ترغیب، حسن اخلاق کے اُن خصوصی مظاہر
کا بیان جن کی اللہ کے یہاں خاص قدر ہے۔ سنت پر کاربند اور بدعات سے
دور رہنے کی تاکید۔ بدعات اور مشرکانہ اعمال کی قباحت اور اس کے بُرے اخروی

نتائج سے تخویف۔ ذکر اللہ کے فضائل، کلمات ذکر کا میزان الٰہی میں وزن۔ غیبت، بہتان، چغلی، شراب خوری، سود وغیرہ کبائر میں مبتلا ہونے کے خلاف آگاہی۔ اللہ کی راہ میں جہاد اور کلمۂ حق کی خاطر قربانی کی ترغیب اور ایمان اور ایمانی صفات توکل، تقویٰ، خشیت و محبت، صبر و شکر، علم و ذکر، عبودیت و انابت، دعا و تضرع وغیرہ تمام ایمانی شعبوں میں مسلسل ترقی و تکمیل کی جدوجہد کی تشویق نیز رذائل اخلاق کا اور اُن کے بُرے نتائج کا بھی مفصل بیان اور ان سے تزکیہ و تطہیر کے لیے سعی و کوشش کی تلقین اور تمام ہی اعمال کے خالصۃً للہ رکھنے پر زور۔

مگر یہاں —— جہاں کی بات چل رہی ہے —— ایمان، طاعت، تقویٰ، طہارت اور جہاد و نصرت جیسے تفصیل اور تشریح طلب عنوانات کی تکرار اور ترغیب کی تو بے شک کوئی کمی نہیں، لیکن اس تکرار اور تاکید و ترغیب کے ساتھ نبویؐ انداز کی اس تشریح و تفصیل کا کہیں گزر نہیں جس سے ان عنوانات کا اسلامی مفہوم اور روزمرہ کی عملی شکل سامنے آتی ہے۔ اور جس پر زور دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت کے مسلمانوں کے لیے بھی اس قدر اہم سمجھتے تھے۔

ممکن ہے کہ اہل ایران کو اُن کے قائدین کے نزدیک اس تشریح و تفصیل کی حاجت نہ ہو۔ اور یہی بات دوسرے مسلمان مخاطبوں کے بارے میں صحیح سمجھی جاتی ہو۔ مگر اِن خطابات میں یہ جو دوسرے (غیر مسلم) مدعوین شریک ہوتے ہیں، یہ کہاں سے اِن عنوانات کا واقعی اسلامی مفہوم اور روزمرہ کی عملی شکل اخذ کر سکتے ہیں؟ یہ تو اِن عنوانات کو اگر یاد بھی رکھیں گے تو ان کے مفہوم میں بس وہی امپیریلزم کی مخالفت اور معاشی و سماجی مساوات و آزادی کے لیے بھرپور جد و جہد اپنے ساتھ لے کر جائیں گے جس پر ان عنوانات کے تحت زور دیا گیا ہے۔ اور جو گویا اُن کے اپنے عین خیالات ہیں۔

یہ طرزِ عمل کس لیے؟

تب اس صورت میں تو اُن کو دعوت کسی طرح بھی اسلامی مصلحت نہیں ہوسکتی بلکہ یہ اسلام کا غلط تصور دینے کی قیمت پر ان کی حمایت و نفرت حاصل کرنے کی ایک صورت ہے۔ کہ گویا ایران کے "اسلامی انقلاب" کو ان کے الحاد و اباحیت اور انکارِ مذہب سے کوئی مطلب نہیں، اُس کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز تو وہی مسائل ہیں جو اُن کے ہیں۔ اور اس لیے یہ انقلاب اُن کی حمایت اور اعانت کا حقدار ہے۔

چنانچہ یہ حمایت ہماری نظر میں بطورِ واقعہ حاصل ہے۔ اور پہلے دن سے حاصل ہے۔ امریکہ کا اپنے سفارت خانے کے معاملے پر چودہ مہینے تک انتہائی درجے کی ذلت ایسی بے بسی کے انداز میں برداشت کرتے رہنا جیسے کہ وہ ایران کے برابر کی طاقت کا بھی ملک نہیں ہے، درانحالیکہ اُس کا اور ایران کا کوئی مقابلہ ہی سرے سے نہیں تھا اور نہ ہے ـــــ اس کی مکمل اور اطمینان بخش توجیہہ اگر ہوسکتی ہے تو صرف اس طرح ہوسکتی ہے کہ امریکہ کو کسی کارروائی کی صورت میں کسی برابر کی طاقت کے سامنے آجانے کا خوف تھا۔ اور برابر کی وہ واحد طاقت ایران کی سرحد سے ملی ہوئی روس کی کمیونسٹ حکومت تھی، جس نے ایران کی انقلابی تحریک کے مذہبی رنگ اور نعروں کے باوجود، جب کہ کمیونسٹ فلسفے کی رو سے مذہب ہی وہ افیون ہے جو سرمایہ دارانہ راج اور ایسی تمام لعنتوں کے لیے میدان ہموار کرتا اور پھر اُن کی حفاظت کرتا ہے، شاید ہی کبھی کوئی لفظ آج تک ایرانی انقلاب کے خلاف کہا ہوگا ـــــ اور یہ اس کے باوجود ہے کہ ایرانی قیادت جس سانس میں امریکہ پر تبرّا کرتی ہے اُسی سانس میں روس اور کمیونزم پر بھی لعنت بھیج جاتی ہے۔ بشرطیکہ اُس وقت سامنے کے مجمع میں کمیونسٹ مہمان نہوں۔ ابھی گزشتہ سال یکم مئی کو ایران میں لیبرڈے (یوم مزدور) منایا گیا۔ اور امام صاحب نے ایرانی مزدوروں اور محنت کاروں سے خطاب فرمایا۔ اس خطاب کی سرخی تہران ٹائمز میں امام صاحب کا یہ جملہ تھا:-

"سرمایہ داری اور کمیونزم" دونوں "مزدوروں کو اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہیں"۔

" Capitalism Communism use workers in their own interest".

لیکن اس تبرّے کے باوجود، جو اخباروں میں چھپتا بھی ہے، نہ روس کی پیشانی پر کوئی بل پڑتا ہے اور نہ اُس کے حلقۂ ارادت کی طرف سے دوستانہ دعوتیں کبھی رد ہوتی ہیں —— یہ کیا امام صاحب کا اقبال ہے؟ یا روس کا یہ اطمینان؟ کہ یہ "بے لاگ" اسلامیت کا بھرم رکھنے کی باتیں ہیں، ورنہ ہم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

ہم نے اوپر ایک جگہ حاشیہ میں کہا تھا کہ ایرانی انقلاب کی قیادت نے شاہی حکومت اور تحریک کے ٹکراؤ کے آخری دور میں جس مہارت اور اعتماد کا مظاہرہ کیا اُس کے بارے میں ہمیں ایک شبہ پہلے ہی دن سے رہا۔ وہ شبہ یہ تھا کہ اس کے پیچھے روسی قیادت کی تجربہ کار ذہانت کی بھرپور سرپرستی اور حمایت ضرور کام کر رہی ہے۔ مادّی اعانت چاہے ہو یا نہو۔ مگر تحریک انقلاب کی کامیابی کے بعد جس زور شور سے امریکی سامراج پر لعنت کی گئی ویسے ہی کمیونزم اور روس سے بھی مسلسل بیزاری۔ اس نے اس شبہ کو دبا دیا۔ مگر اب کمیونسٹوں کے ساتھ اپنی آنکھوں سے جو خلا ملا جشنِ سالگرہ میں دیکھا اور روسی اور امریکی جھنڈوں کو یوم انقلاب کی فوجی پریڈ میں ایک ساتھ پامال کیے جانے کے لیے بچھانے کے بعد جس طرح تھوڑی ہی دیر میں کہتے ہیں کہ (روس کے فوجی اتاشی کے احتجاج پر) روسی جھنڈا اٹھا لیا گیا اس سے اُس شبہ کو یقین میں بدل جانے کا حق ہوا ہو یا نہوا ہو لیکن اتنا تو صاف معلوم ہو گیا کہ روس پر تبرّا محض تقیہ کا ایک روپ ہے۔ اندرونی طور پر اس میں کوئی حقیقت نہیں۔

۲۔ عالمِ اسلام میں ایران کے دوست

صرف اور اوّل و آخر "اسلام" کے نعرے کے ساتھ یہ بھی ایک عجیب سی صورت حال ہے کہ عالم اسلام میں، اخوت و دوستی یا کم از کم نرم گوشہ

رکھنے کے قابل حکومتیں اگر ایران کو ملی ہیں تو وہ شام، لیبیا اور الجزائر کی حکومتیں
ہیں، جن میں شام کی حکومت اُسی دین و مذہب کی (بعثی) حکومت ہے جو عراق کی
(بعثی) حکومت کا دین ہے۔ یعنی دین و اسلام سے دشمنی۔ بلکہ شام کی حکومت نے
ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس معاملے میں عراق کی حکومت سے بہت آگے ہے۔ لیبیا کی
حکومت دین اور اسلام کا نام ضرور لیتی ہے۔ مگر اس کے معنیٰ وہ بیان کرتی ہے
جس میں ہر گمراہی اور زندقہ کو ڈیرا جمانے کی سہولت مل جائے۔ الجزائر کی حکومت
شام یا لیبیا جیسی خصوصیات کا اظہار تو نہیں کرتی، لیکن صاف طور پر سیکولرزم کی
قائل ہے۔ اور اگر دین، سیکولرزم کے قائم کردہ حدود سے باہر قدم رکھنے کی
کوشش کرنے لگے تو پھر وہ اس بارے میں غلط فہمی کی گنجائش نہیں دیتی کہ وہ اس
قدم کو پیچھے ہٹانے کے لیے وہی سب کچھ کرے گی جو ایک سیکولرزم کی قائل حکومت
سے متوقع ہے۔ اور جس کی ایک شکل ہم ترکی کی موجودہ حکومت کے عمل میں دیکھ رہے
ہیں[1]۔ غرض ان تینوں حکومتوں میں سے کسی کو بھی آجکل کی چلی ہوئی ایک اصطلاح
میں "اسلام پسند" بہرحال نہیں کہا جا سکتا۔ اور کوئی مثبت چیز ان میں قدرِ مشترک کے

---

[1] موجودہ ترکی حکومت جس فوجی انقلاب کے بعد برسراقتدار آئی ہے۔ اگر کسی کو یاد ہو گا تو یہ انقلاب ترکی پارلیمنٹ کے ایک واقعہ کا نتیجہ اور اُس کے فوراً بعد تھا۔ یہ واقعہ اس بات کی کھلی علامت نظر آیا تھا کہ پارلیمنٹ کی اکثریت کا رُخ ترکی کی مکمل اسلامیت کی طرف ہے۔ فوجی حکومت نے اس واقعہ کو وجود میں لانے والی اسلامی پارٹی کو خاص طور سے اپنے مضبوط شکنجے میں لیا اور آج تک وہ لوگ پھانسی یا طویل ترین سزائے قید دیے جانے کے خطرے میں ہیں۔ اور اسلامی رجحان کا سر کچل ڈالنے کے لیے یہ حکومت جو دوسرے اقدامات مسلسل کر رہی ہے اُنھیں کی ایک تازہ کڑی لندن کے روزنامہ گارڈین مورخہ ۵ رفروری کی خبر کے مطابق یہ ہے کہ یونیورسٹیوں میں ڈاڑھی اور خاتون ٹیچروں اور اسٹوڈینٹ لڑکیوں (طالبات) کے لیے اسلامی وضع کا لباس ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اور اُس کے مطابق کئی ٹیچر ڈاڑھی رکھنے کے جرم میں برطرف بھی کر دیے گئے ہیں۔

طور پر نکالنی ہو تو وہ اشتراکیت پسندی ملے گی۔ تینوں اشتراکیت کی قائل ہیں اور تینوں روس دوست!

قصہ مختصر، یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ایک علمبردارِ اسلام حکومت کو ان حکومتوں کی مذکورہ بالا خصوصیات کی موجودگی میں کیا بنیاد ان کے ساتھ اخوت و دوستی یا نرم گوشہ رکھنے کی ملی ہے؟

۳۔ مستضعفین میں تفریق

"مستضعف ڈے" قسم کی تقریبات کا اہتمام خود بتا رہا ہے کہ دنیا کے دبائے ہوئے اور مظلوم لوگوں کے لیے دردمندی کی ایرانی انقلاب کے دل میں بڑی خاص جگہ ہے۔ مزید برآں ایران کے سفر میں باقاعدہ اس طرح کے کتبے نظر آتے تھے کہ "ما غمگسارانِ مستضعفان جہانند" پھر جب وہ مظلوم و مقہور مسلمان ہی نہوں بلکہ اسلام کے احیاء یا اس کی بقا کے لیے جدوجہد کرنے والے بھی ہوں تب تو اُن کے لیے جیسی دردمندی اس انقلاب میں پائی جانی چاہیے وہ ظاہر ہے۔ چنانچہ اسی نام پر عراق کے مسلمانوں (یا شیعہ مسلمانوں) کی جیسی مدد ہو رہی ہے وہ سامنے ہے اور ان کے لیے سینہ کوبی تو ایران کے ہر پروگرام کا جزو نظر آئی۔ فلسطینی مسلمانوں کا بھی برابر ذکر رہتا ہے۔ فلپائن کے مسلمانوں کے ساتھ بھی اظہار ہمدردی و حمایت ہم نے دیکھا۔ پولو ساریہ کے محاذ آزادی کی حمایت بھی ہم نے دیکھی اور سنی۔ افغان مسلمانوں کی ہمدردی میں "مرگ بر شوروی" (کمیونسٹ روس مردہ باد) کے نعرے بھی خوب لگا کرتے تھے۔ مگر ٹھیک انہی دنوں میں جبکہ ہمارا وہاں قیام تھا شام کے شہر حما کے مسلمان باشندے اپنی حکومت کے ہاتھوں خاک اور خون میں لوٹ رہے تھے۔ اور اُن کا جرم ٹھیک وہی تھا جو ایران کی انقلابی تحریک کا جرم شاہ ایران کے مقابلے میں۔ مگر یقین نہ آنے والی بات ہے کہ ان مظلوموں کے حق میں ہمدردی کا ایک کلمہ یا شام کی حکومت کے لیے مذمت یا احتجاج کا کوئی جملہ کسی انقلابی زبان سے ہمارے سننے میں نہیں آیا! اس کی کیا وجہ کوئی شخص اس کے سوا سمجھ سکتا ہے کہ یا تو شامی حکومت کا اشتراکی اور روس دوست ہونا آڑے آ رہا تھا اور

یہ نہیں تو اس حکومت کا شیعہ اور اس کے مظلوموں کا سنّی ہونا ؟

جگہ جگہ سے جو پرجوش حامیانِ انقلاب اس موقع پر آئے ہوئے تھے اور ساتھ بیٹھنا ہوتا تھا، اُن سے پوچھا گیا کہ بھائی یہ کیا ہے ؟ نہ "غمگساری مستضعفان" کا اصول کام کر رہا ہے اور نہ اسلام اور صرف اسلام کی علمبرداری ؟ ان کا جواب یہ تھا کہ عراق سے جنگ کی حالت ہے اور عالمِ اسلام میں واحد حکومت جو اس جنگ کے معاملے میں ایران کی ہر طرح حامی اور مددگار اور عراق سے سیاسی طور پر برسرِ پیکار ہے وہ یہی عراق کے پڑوس کی شامی حکومت ہے۔ اس حکومت سے لڑائی مول لینا اور اس کی حمایت کھونا کہاں کی عقلمندی ہو سکتی ہے ؟۔ مگر اس عذر کو ماننے کے لیے ضرورت ہے کہ ایرانی انقلاب کے اصولی نعروں کو بالکل بے معنی اور بے حقیقت سمجھنا چاہیے۔ ورنہ اُن اصولوں کے ساتھ ایسے عذر کی بات شرمناک ہے۔

بہرحال اس رویہ کی وجہ شام کی اشتراکیت اور روس دوستی ہو، یا شیعہ سنّی کی تفریق یا محض سیاسی مصلحتِ وقت، ان میں سے ہر بات سوال پیدا کرتی ہے کہ انقلاب کی "اسلامیت" کے معنیٰ کیا ہیں ؟ اور ان میں سے کوئی بھی بات اس نعرے اور دوسرے نعرے "ہمدردیٔ مظلومانِ جہاں" کی سچائی کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہے ؟

مسئلہ افغانستان

افغان مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی حمایت میں نعروں کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔ اس ہمدردی و حمایت کی عملی شکل یہ نظر آئی کہ افغان مظلوموں کے جو نمائندے جشن سالگرہ میں بلائے گئے تھے وہ سب کے سب ایک ایک کرکے شیعہ حضرات تھے۔ جبکہ افغانستان سنّی اکثریت کا ملک ہے۔ وہ جس تنظیم کے نمائندے تھے وہ بھی سنّی افغانیوں سے الگ ان حضرات کی اپنی تنظیم ہے ! اور اس حقیقت کو دیکھ کر لندن کے ایک سنّی افغان کی بات یاد آئی کہ ہمارا کوئی وفد آج تک ہزار کوشش کے باوجود امام خمینی کی بارگاہ میں بار نہیں پا سکا ہے۔ آنکھوں کے سامنے کی صورت حال اس شکایت یا حکایت میں پوری

صداقت بتا رہی تھی۔ اور اس کی کوئی وجہ سوائے اس کے نہیں سمجھی جاسکتی تھی کہ شیعہ مسلمان جہاں اپنا مفاد سنّی مسلمانوں سے الگ رہنے میں پاتے ہوں وہاں یہ "اسلامی انقلاب" اس علاحدگی اور امتیاز کا عملاً پورا سرپرست بننے اور صرف شیعہ عنصر سے سروکار رکھنے کو تیار ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس منافقت میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نام سب افغانیوں کا لے اور کام صرف خاص افغانیوں کے آئے۔!

اور کیوں نہیں یہ خیال بھی کیا جاسکتا کہ اس تفریق کی راہ پر شیعہ افغانیوں کو لگانے والا اور اس کو بڑھاوا دینے والا یہی انقلابی ایران ہو؟ اور کیوں یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ اس تفریق کے پیچھے انقلاب کی اندرونی شیعیت ہی نہیں بلکہ روس سے اندرونی دوستی بھی کام کر رہی ہے۔ کیونکہ مزاحمت صرف سنّی افغانوں کی طرف سے ہے۔ اور اس طرح افغان دوستی کا اظہار کرتے ہوئے اور مرگ بر شوروی کا نعرہ لگاتے ہوئے بھی اس روس دوستی کا عملی حق ادا کیا جاسکتا ہے؟ اور مزید برآں کیونکر یہ خیال نہ پیدا ہو کہ اقوام متحدہ کے ذریعہ کابل حکومت کے ساتھ پاکستان کی گفتگو سے اپنے آپ کو علاحدہ رکھنے کے لیے ایران جو یہ "کھرا پن" دکھا رہا ہے کہ وہ کابل کی کٹھ پتلی حکومت سے کسی طرح بھی کوئی بات نہیں کرے گا۔ اس کی تہہ میں فی الحقیقت افغانستان کے شیعہ عنصر کا مفاد اور اپنا مفاد ہے جو چاہتا ہے کہ یا تو حالات موجودہ روسی قبضہ ہی کے ساتھ معمول پر واپس آجائیں یا کم از کم روسیوں کی واپسی کی یہ شکل نہو کر اقتدار مجاہدین (اہل سنّت) کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے یا اُس کی بنا پڑ جائے، بلکہ ببرک کارمل ہی کی جیسی کوئی روس کی زیر اثر حکومت وہاں رہے۔ کہ ان دونوں صورتوں میں شیعہ عنصر کو روسی اعتماد کی بنا پر حکومت میں زیادہ دخیل ہونے اور ملکی معاملات میں نفوذ حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ اور اس دخل نفوذ کے ذریعہ ایران بھی دخیل رہ سکے گا۔

غرض افغانستان کے بارے میں ایران کی موجودہ پالیسی کے اندر اس کے واضح

قرائن پائے جاتے ہیں کہ اس میں بس افغانی شیعوں کا اور اپنا مفاد پیش نظر ہے، جو روسی مفاد سے بھی بہت کچھ ہم آہنگ ہے۔ افغانستان کے معاملے میں انقلابی ایران کا یہ رویہ اس بات کا ایک مزید ثبوت ہے کہ روس کے ساتھ ایرانی انقلاب کی مکمل مفاہمت یا دوستی ہے۔ اور یہ نتیجہ اسی مفاہمت اور مفاداتی ہم آہنگی کا ہوسکتا ہے کہ روس کے جو خشمگیں تیور پاکستان کے لیے دیکھنے میں آتے ہیں اور کابل کی حکومت جس زبان میں پاکستان کے لیے بات کرتی ہے، ان دونوں باتوں کا کبھی کوئی مظاہرہ ایران کے حق میں نہیں ہوتا۔ حالانکہ پاکستان کی حکومت ایران کے مقابلے میں بہت محتاط زبان روس اور اس کی قائم کردہ حکومت کے لیے استعمال کرتی ہے۔

۵۔ اسرائیل دشمنی کا نعرہ اور عمل

اسرائیل کے لیے ایران اپنے نمبر ایک دشمن ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ ہر وقت بلند کیے جانے والے مستقل نعروں میں "مرگ بر اسرائیل" (اسرائیل مردہ باد) مستقل طور سے شامل ہے۔ مگر اس نعرہ بازی کے علاوہ ہمارے سامنے آج تک کوئی ٹھوس چیز ایسی نہیں آئی ہے جو اس نمبر ایک دشمنی کا عملی ثبوت بنتی ہو[۱]، جبکہ اس درمیان میں وہ وقت بھی آکر گزر گیا کہ دشمنی ۱۹۷۱ تو کیا ۱۹۲، ۱۹۳ اور ۱۹۴ کو بھی کچھ کر کے دکھائے بغیر نہ رہنا چاہیے تھا ——— ہمارا اشارہ سبھی سمجھ گئے ہوں گے، گزشتہ سال کے لبنان پر اسرائیلی حملے اور بیروت کے ۶۷ روزہ محاصرے کی طرف ہے جس میں جنوبی لبنان اور مغربی بیروت فلسطینی پناہ گزینوں کا مقتل اور مشہد بن کر رہ گیا۔ ایران کی اسرائیل دشمنی کا سبب فلسطین اور اس کے یہ ستم زدہ باشندے ہی ہیں۔ مگر جس وقت اسرائیل

---

[۱] یہاں تیل کی سپلائی بند کرنے کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ مگر جنوبی افریقہ کے معاملے میں ثابت ہو چکا ہے کہ ایسے اعلانات لازمی طور پر قابل اعتبار نہیں ہوتے، امریکہ اور برطانیہ وغیرہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق اپنے آپ کو پابند کر چکے ہیں کہ جنوبی افریقہ کو تیل نہ دیں۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ اندرونی عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔

ان مظلوموں پر اپنے ظلم وستم کا نقطۂ عروج دکھا رہا تھا ایران کی حربی طاقت عراق کی سرحدوں پر "القدس آپریشن" کا بگل بجا رہی اور زور دکھا رہی تھی۔ کون وہ عقل کا دشمن ہوگا جو یہ مان لے کہ فلسطینیوں ہی کے معاملے میں اسرائیل کے دشمن نمبر ایک کا یہی کام اس وقت ہونا چاہیے تھا؟ ایران نے اس موقع پر فلسطینی مہاجروں کو اپنی مدد کی جو خیرات دی وہ چند سو (یا اس سے کچھ اور زیادہ سہی) رضا کار تھے جو شام بھیج دیے گئے۔ شام میں پہنچ کر انھیں کیا کرنا تھا؟ شام تو خود لبنان کے اندر اپنے لاؤ لشکر رکھتے ہوئے ہاتھ باندھے کھڑا فلسطینیوں کی تباہی کا تماشہ دیکھ رہا تھا تاکہ اس کی خیر رہے۔ وہ کیا ان رضا کاروں کو اپنے علاقے سے کوئی کارروائی کرنے کی اجازت دینے والا تھا؟ اور بفرض محال دے بھی دیتا تو کیا اس علامتی امداد سے فلسطینیوں کا کچھ بننے والا تھا؟ آخری درجے کا ایک پھوہڑ مذاق بس اسے مسلم رائے عامہ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔

ایران اگر ذرا بھی سنجیدہ ہوتا۔ اور اسرائیل دشمنی کے نعرے میں واقعی کچھ صداقت ہوتی تو بجز ایک بات کے کوئی دوسری اس وقت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ عراق سے جنگ بندی کا اعلان، جن عرب حکومتوں سے سیاسی محاذ آرائی کی کیفیت چل رہی تھی ان کے معاملے میں اس محاذ آرائی کی فی الوقت موقوفی کا اعلان اور پھر حتی الامکان پوری سرگرمی سے اس بات کی کوشش کہ کوئی صورت لبنان کے فلسطینیوں کی مدد کو پہنچنے کی نکل سکے تو نکالی جائے۔

کوئی شبہ نہیں کہ عربوں کی موجودہ حالت میں ایسی صورت نکلنی مشکل تھی۔ مگر اسرائیل کے دشمن نمبر ۱ (ایران) کے لیے اس کی کوشش یقیناً واجب تھی تاکہ وہ اگر کچھ نہ کر سکے تو عذر تو پیش کر سکے کہ کیوں نہیں کر سکا اور اس عذر کے پیش آنے میں اگر دخل اس بات کا ٹھہرے کہ عربوں نے تعاون نہیں کیا جس کے بغیر ایران کے لیے کوئی کارروائی ممکن نہ تھی تو پھر وہ یہ کہنے کا حقدار ٹھہرے کہ ان عرب حکومتوں کے خلاف محاذ آرائی ہی ضروری ہے کیونکہ ان کو ختم کیے بغیر اسرائیل کے خلاف کوئی اقدام ممکن نہیں!

گروہ یہ کرنے کے بجائے عراق کے خلاف جنگ اور دیگر عرب حکومتوں کے خلاف سیاسی محاذ آرائی پر قائم رہا۔ اور محض لوگوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کے طور پر کچھ رضاکار دستے شام بھیجد یے گئے کہ ہم فلسطینیوں کی مدد کو جہاں تک ممکن تھا جا پہنچے۔

یہ غیر سنجیدہ رویہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ فلسطینیوں کے ساتھ عدم خلوص سے بڑھ کر کہیں روس کی طرح اسرائیل سے بھی کوئی مفاہمت تو نہیں ہے؟ اور پھر یاد آتا ہے کہ جنوری ۸۲ء میں اسلحہ سے لدا ایک ہوائی جہاز روس کے علاقے میں گرا تھا جس سے دستاویزی ثبوت برآمد ہوئے تھے کہ یہ اسلحہ کی کھیپ اسرائیل سے ایران جا رہی تھی۔ ایران نے اس کا بڑی سختی سے انکار کیا۔ اور یہ الزام اور انکار کا سلسلہ چل رہا تھا کہ ایران کا سفر ہو گیا۔ امام خمینی صاحب سے مہمانوں کی ملاقات کا پروگرام کئی دن بعد ہوا۔ اس درمیان میں اس قصے کا کچھ خیال بھی نہ رہا تھا کہ امام صاحب کی ملاقاتی تقریر میں اس کا ذکر آیا۔ اور ذکر آیا تو نہ صرف ذکر آیا بلکہ امام صاحب نے اس کی تردید کے تکرار پر کافی وقت صرف کیا۔ مجھے، سچی بات یہ ہے کہ، اس بات پر یقین نہیں ہوتا تھا کہ ایران کا اسرائیل سے کوئی جوڑ ہوگا اور اسرائیل سے اس کو عراق کے مقابلے کے لیے اسلحہ مل رہے ہوں گے مگر امام صاحب نے اس کی تردید پر اتنا زیادہ زور صرف کیا کہ یا تو بات محض شبہے کے درجے میں بھی میرے اندر نہیں چل رہی تھی اور یا اب یقین کے قریب قریب درجے کا شبہ ہو گیا کہ ضرور یہ واقعہ ہے۔ کیونکہ یہ بات ناقابل فہم تھی کہ ایرانی انقلاب کی قیادت جس شدومد کے ساتھ شاہ کے دور میں بھی ایران اور اسرائیل کے اچھے تعلقات کو شرمناک بتاتی رہی ہے۔ اس کو تیل کی سپلائی کی مذمت کرتی رہی ہے۔ اور پھر انقلاب کے بعد اسرائیل کی دشمنی کو اُس نے اپنے ارکانِ ایمان میں سے ایک بھاری رکن ٹھیرا رکھا ہے اس قیادت کا بھی سب سے بالاتر رکن اور رُوحِ رواں جناب خمینی صاحب، ایک ایسے الزام کی تردید پر اتنا زور صرف کریں جس کے متعلق انھیں، اپنے ریکارڈ کی بنا پر پورا اعتماد ہونا چاہیے تھا

کہ کوئی اس پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوگا، اور قطعاً ضرورت نہیں ہے کہ اس کی صفائی یا تردید میں ایک آدھ لفظ سے زیادہ کہا جائے، ایک ایسے الزام کی تردید پر ان کو اتنا زور صرف کرتا دیکھ کر دل نے کہا کہ ضرور واقعہ ہے۔ اور اسرائیل کی مخالفت اور اس سے دشمنی کے اظہار میں جو کچھ بھی انقلابی تحریک کے ریکارڈ پر ہے وہ سب ایک استحصالی فریب کاری تھی اور ہے اور اسی لیے امام صاحب کو سب سے زیادہ اس کا یقین نہیں ہے کہ لوگ اس مخالفت کو حقیقت سمجھتے رہے ہوں گے۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ۔ (اور کوئی جانے نہ جانے انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے) اور اس بنا پر کبھی وہ لطیفہ پیش آیا تھا جس سے "داڑھی میں تنکہ" کی ضرب المثل بنی۔

کیا مرگ بر امریکا کی بھی یہی حقیقت ہے؟

بہرحال، یہ اسرائیل سے اسلحہ کے حصول یا کسی قسم کے تعلق کی بات تو محض میرے تأثر کی حد تک یقینی ہے، ورنہ اس کا دعویٰ مقصود نہیں کہ واقعہ میں ایسا ہی ہے۔ البتہ اسرائیل سے دشمنی کی بات واقعات کی روشنی میں یقیناً غلط اور بے حقیقت کہی جانے کی مستحق ہے اور اس بنا پر یہ اسلامیت کے ایسے بلند بانگ دعووں کے ساتھ جس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی ایسا افسوسناک کردار ہے جس پر اظہار افسوس کے لیے الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔ اور اسی صورت حال کے نتیجے میں اب تو یہ کہنا بھی صحیح نظر آتا ہے کہ "مرگ بر امریکہ" کی حقیقت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ یعنی کم از کم اس پر مرگ (موت) نازل کرنے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ اصل دلچسپی کا مرکز اور نشانہ خلیجی علاقہ اور جزیرۃ العرب ہے۔ یہاں کی حکومتوں کا خاتمہ اور ان کی جگہ شیعہ اقتدار اصل مقصود ہے اور باقی سب اس مقصد کے ذرائع!

مدتوں تک تلافی نہ ہو سکے گی

ہوگا کیا؟ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ مگر اب تک جو کچھ ہوا اور جو اس کی اصلیت اب کھل رہی ہے

ؔ تہران کے روزنامہ صبح آزادگان مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۸۴ء میں امام خمینی کی یہ تقریر چھپی ہوئی بھی میرے پاس موجود ہے۔

اس سے اسلام کو تو شدید نقصان پہنچے گا ہی کہ اسلام کے نام پر خلوص اور سچائی کے ساتھ کھڑے ہونے والوں کو بھی اپنے خلوص کا یقین دلانا مشکل ہو جائے گا اور جو روحیں اس زمانے میں، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے بے تاب ہونے کی وجہ سے ہر سچا دکھائی دینے والے داعی کی طرف لپک پڑتی تھیں وہ پتہ نہیں کب تک کے لیے مایوس اور افسردہ ہو جائیں گی۔ لیکن اسی کے ساتھ خود شیعیت، جس کی ترقی کے لیے بظاہر یہ ایرانی انقلاب کام کرتا دکھائی دے رہا ہے وہ بھی کم نقصان میں نہیں رہے گی ملت کے گزشتہ طویل عرصے کے حالات نے بہت سے سنّیوں کا ذہن اس کے لیے تیار کر دیا تھا کہ شیعہ سنّی اختلافات کی تاریخ بھلا کر جہاں تک ممکن ہو ملت کے مشترک مفاد کے لیے شیعہ حضرات کے بھی ساتھ مل کر کام کیا جائے اور ان پر اعتماد کیا جائے۔ یہ تجربہ اس ذہن کے لیے ایسا تلخ ثابت ہوگا کہ مدت تک اب اس رُخ پر سوچنا مشکل ہو جائے گا۔ جو خلیج دونوں طرف کے ایسے ذہن والوں کی کوششوں سے کافی پَٹ گئی تھی، وہ اب اس حالت میں ہرگز باقی نہیں رہ سکتی۔ اس طرح کی تمام کوششیں مدّت تک کے لیے اکارت کر دی گئیں۔ اللہ خمینی صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو سمجھ دے کہ وہ کیا ستم اسلام اور شیعیت اور امت مسلمہ پر کر رہے ہیں۔

ضمیمہ

شاہ خالد مرحوم اور امام خمینی صاحب کی وہ خط و کتابت جس کا مضمون میں ذکر آیا ہے

امام خمینی کے نام شاہ خالد کا خط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سماحة آية الله الامام الخمينى

ان سفارة جمهورية ايران الاسلامية فى جدة كانت قد اعلنت بان سماحتكم اصدرتم الاوامر للزائرين الايرانيين لبيت الله الحرام والزمتموهم ببذل المساعى لتحقيق التضامن بين المسلمين والامتناع عن القيام باعمال تدعو الى التفرقة، والاقتداء بائمة الجمعة والجماعة حين اوقات

جناب عالی! آیۃ اللہ الامام الخمینی

جدہ کے ایرانی سفارت خانہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جناب والا نے ایرانی زائرین بیت اللہ کو چند ہدایات دی تھیں اور اس پر زور دیا تھا کہ وہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور جہاں تک ہو سکے اختلاف و انتشار برپا کرنے والے اعمال سے دور رہیں عام نمازوں اور جمعہ میں ائمہ مساجد کے پیچھے نماز ادا

الصلاة فی المساجد واتباع حکم ثبوت رویۃ هلال شهر ذی الحجۃ فی المملکۃ العربیۃ السعودیۃ حتی ولو لم یثبت رویۃ هلال شهر ذی الحجۃ فی ایران إننا سعداء بأن نعرب لسماحتکم عن شکرنا وتقدیرنا لهذه المشاعر والاهتمامات الجیدۃ. لکن مع الاسف ان بعض الزوار الایرانیین من حجاج بیت الله الحرام لم یعملوا بتوجیهاتکم علی اثر تحریکات رؤسائهم وقاموا باعمال باسمکم اضافۃ الی ذلک فانها تنافی مع هدفکم وانها مغایرۃ مع اهداف الحجۃ وقدسیۃ الاماکن المقدسۃ ونورد هنا امثلۃ علی هذه الاعمال۔

۱۔ تجمع بعض الزوار الایرانیین خلف حجر اسماعیل وردد احدکبارهم وبصوت عال شعارات بین الطائفین حول الکعبۃ المشرفۃ۔

۲۔ قامت جماعۃ کبیرۃ من الزوار الایرانیین بمسیرۃ اثناء الطواف وفیها کانوا یرددون نفس

کریں۔ ذی الحجہ کے چاند کے سلسلہ میں سعودی عرب میں ثابت رویت ہلال کی تاریخ کو تسلیم کریں، چاہے ان کے ملک ایران میں چاند نظر نہ آئے۔ یہ اعلان سن کر ہمیں بڑی خوشی و مسرت ہوئی تھی۔ آپ کے ان اقدامات و احساسات نے ہمیں ممنون کیا تھا۔ لیکن افسوس کہ کچھ ایرانی حجاج نے اپنے عمائدین کے اشاروں پر عمل کرتے ہوئے آپ کی ہدایات کو ملحوظ نہیں رکھا اور آپ کے نام پر وہ وہ حرکتیں کیں جو نہ صرف یہ کہ آپ کے مقصد سے میل نہیں کھاتیں بلکہ حج کے مقاصد اور دیار مقدسہ کی حرمت سے بھی ان کا کوئی میل نہیں۔

ایسے چند واقعات بطور مثال ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

(۱) کچھ ایرانی حجاج حجر اسماعیل کے پیچھے جمع ہو گئے اور ان میں سے ایک ذمہ دار نے کعبہ کا طواف کرنے والوں کے درمیان بآواز بلند نعرے لگائے۔

(۲) دوران طواف ایرانیوں ہی کی ایک بڑی جماعت جلوس کی شکل میں نعرے لگاتی ہوئی حجر اسود کے قریب

الشعارات السابقة كانوا يقتربون من
الحجر الاسود و يرددون شعار الله اكبر
خميني اكبر - الله واحد، خميني واحد -
ان هذا العمل وغيره ادى الى اشمئزاز
وسخط زوار بيت الله الحرام ولا شك
بان هذا العمل سوف يمس بسمعة و
منزلة ايران - ان حكومة المملكة العربية
السعودية تعامل الزوار الايرانيين
بتعقل ومرونة للتدليل على حسن نية
حكومة المملكة العربية السعودية ومراعاتها
لقدسية الحج اطلقت سراح هؤلاء الزوار
الايرانيين بعد اعتقالهم وحتى
اولئك الذين ضبطت بحوزتهم كمية
من المخدرات -

وفي الختام ومن اجل ان لا تضطر
حكومة المملكة العربية السعودية الى
اتخاذ التدابير اللازمة ضد الزوار
رأينا من اللائق ان نحيط سماحتكم
علما بكل ماحدث، ونامل ان يصدر
سماحتكم الاوامر بشان ابتعاد الزوار
الايرانيين عن هذه الاعمال والاهتمام
فقط بجد باداء مناسك الحج حيث توجهوا
من اجل ذلك الى بيت الله، اننا على

پہونچی اور وہاں یہ نعرے لگائے
اللہ اکبر، خمینی اکبر، اللہ واحد، خمینی
واحد۔ اس طرز عمل سے حجاج بیت اللہ
میں سخت برہمی اور ناراضگی کی لہر
دوڑ گئی۔ یقیناً یہ حرکت ایسی تھی جس سے
ایران کا مقام اور اس کی حیثیت مجروح
ہوئی۔ سعودی حکومت ایرانی حجاج کے
سلسلہ میں نرمی و احتیاط سے کام لے رہی
ہے تاکہ وہ اپنی طرف سے نیک نیتی نیز
حج کے تقدس کا ثبوت فراہم کرے۔ اسی
مقصد سے اس نے ان ایرانی زائرین کو
گرفتار کرنے کے بعد رہا کر دیا جن میں وہ
بھی تھے جن کے پاس نشہ آور اشیاء
بھی پائی گئیں۔

آخر میں گزارش ہے کہ ہم نے اس
خیال کے ماتحت کہ ہماری حکومت کو
زائرین کے خلاف ناگزیر اقدامات نہ
کرنے پڑیں مناسب سمجھا کہ جو کچھ ہوا
ہے اس سے آپ کو مطلع کر دیں، ہمیں
امید ہے کہ آپ ایرانی زائرین کو
اس قسم کی حرکتوں سے دور رہنے کی اور
یکسوئی کے ساتھ مناسک حج کی ادائیگی
کی طرف متوجہ رہنے کی، جس کے لیے وہ

تهمِ بان الزوار الايرانيين سوف
ينبعون تعليمات سماحتكم و يحترمونها
نسأل الله سبحانه ان يوفق الجميع
لكل ما هو خير للاسلام والمسلمين
حفظكم الله.

خالد بن عبد العزيز
ملك المملكة العربية
السعودية

٧/١٢/١٤٠١
الموافق ١٣/١٠/١٩٨١

یہاں آئے ہیں، ہدایات جاری فرمائیں گے
ہمیں یقین ہے کہ ایرانی زائرین آئندہ
جناب کی ہدایات کا لحاظ اور پابندی
کریں گے۔ ہم اللہ سے سب کے لیے ہر اس
کام کی توفیق کے سائل ہیں جو اسلام اور
مسلمانوں کے لیے بہتر ہو۔ اللہ آپ کو
سلامت رکھے۔

خالد بن عبدالعزیز، فرمانروا
مملکت عربیہ سعودیہ

۷/۱۲/۱۴۰۱
مطابق ۱۳/۱۰/۱۹۸۱

شاہ خالد کے نام جناب خمینی کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرة الملك خالد بن عبد العزيز
ملك المملكة العربية السعودية تسلمت
رسالتكم، وان ما قالته سفارة
جمهورية ايران الاسلامية فى
جدة صحيح، ارى ان مصائب المسلمين
ومشاكل حكوماتهم ناجمة من
اختلافهم ومن النفاق الذى
يسودهم

عالی مرتبت جناب شاہ خالد بن عبدالعزیز
فرمانروائے مملکت سعودی عرب
آپ کا خط موصول ہوا جدہ میں واقع
جمہوریہ اسلامیہ ایرانیہ کے سفارتخانہ نے
جو بات کہی تھی وہ بالکل بجا تھی، میرا
یقین ہے کہ مسلمان جن پریشانیوں سے دوچار
ہو رہے ہیں اور اسلامی حکومتیں جن مشکلات
سے دوچار ہیں اس کا واحد سبب خود ان کے

فالاقطار الاسلامية بسكانها المليار وثرواتها الطائلة وفي طليعتها بحار النفط التي تفيض الحياة في شرايين القوى الكبرى، قد حباها الله باحكام القرآن وتعاليم النبي الاكرم (ص) العبادية والسياسية التي تحث المسلمين على الاعتصام بحبل الله ونبذ الفرقة والتمزق، وجعل الحرمين الشريفين ملاذا لها، فقد كان هذان الحرمان مركزين للعبادة والسياسة الاسلامية، فيهما ترسم خطط الفتح، وتحدد مناهج السياسة في عهد الرسول (ص) وهكذا بقيا فترة طويلة بعد رحيله، بيد ان سوء الفهم واغراض القوى الكبرى ودعاياتها الواسعة جعلت المشاركة في الشؤون السياسية والاجتماعية التي هي من اهم واجبات المسلمين داخل الحرمين الشريفين جريمة تدفع الرئيس السعودي الى الجرأة على اقتحام المسجد الحرام الذي يامن فيه الجميع حتى المنحرفون طبقا لاحكام الباري تعالى، والى

آپس کے اختلافات اور ان کا منافقانہ طرز عمل ہے جو ہر طرف چھایا ہوا ہے۔
خدا تعالیٰ نے ان اسلامی سلطنتوں کو کروڑوں باشندوں اور لا محدود اسباب واموال کے ساتھ جن میں سرفہرست تیل کے وہ چشمے ہیں جن سے بڑی طاقتوں کی رگوں میں آب حیات سپلائی ہو رہا ہے۔ قرآن کی دولت سے اور نبیؐ کی تعلیمات سے سرفراز کیا جو عبادت اور سیاست دونوں شعبوں سے تعلق رکھتی ہیں اور جو مسلمانوں کو ہمیشہ اس طرف توجہ دلاتی رہتی ہیں کہ خدا کی رسی کو تھامے رہیں اور اختلاف وافتراق سے دور رہیں حرمین شریفین کو جائے پناہ کی حیثیت دی گئی۔ چنانچہ یہی حرمین شریفین عبادت اور اسلامی سیاست کا مرکز رہے۔ عہد رسالت میں یہیں سے فتح ونصرت کے لیے منصوبہ بندی کی جاتی تھی اور سیاسی طرز عمل (پالیسی) کے فیصلے ہوتے تھے۔ آپؐ کے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمانے کے بعد بھی ایک طویل زمانہ تک حرمین میں یہی صورت باقی رہی۔
لیکن کیا کہا جائے! غلط فہمیاں

مهاجمة المسلمين بالاحذية
والاسلحة وزجهم في السجون.
هل هتاف هؤلاء ضد امريكا و
اسرائيل عدوي الله ورسوله جريمة؟

لا ادري، اوصلتكم تقارير صحيحة
عما يجري في بلادكم الحرمين الشريفين
ام استلمتم تقارير شوهت شعارات
الايرانيين المشهورة في كل مكان
وابلغتكموها محرفة؟

ولا ادري كيف يفهم ائمة الحرمين
الشريفين الاسلام وحج البيت
الحرام المشحون بالسياسة اذ جاء
ليقوم القسط والعدل وتنزول المظالم
واعمال النهب، وتلك هي السياسة
العامة للانبياء العظام بخاصة سيدنا
خاتم النبيين (ص)

ماذا فهم ائمة الحرمين من
ذلك كله، حتى يمنعوا الحجاج باسم
الاسلام - من الخوض في السياسة
حتى في الهتاف ضد اسرائيل و
امريكا؟

ان هذا المنع مخالف لسيرة
النبي العظيم (ص) ومسلمي صدر الاسلام

بڑی طاقتوں کے اغراض اور ان کے
زبردست پروپگنڈوں نے سیاسی اور
اجتماعی معاملات میں شرکت کو حرمین
کے اندر مسلمانوں کے اہم ترین فرائض میں
سے ہے ایک ایسا جرم بنا دیا جس کی وجہ
سے سعودی پولیس اس مسجد حرام کی
بے حرمتی پر اترنے لگی جس میں ہر شخص کو
پناہ ملنی چاہیے حتیٰ کہ قرآن کی رو سے
قانون شکنوں کو بھی اس کے حدود میں
چھیڑا نہیں جاسکتا غرض اس جرم میں
سعودی پولیس نے مسلمانوں کو جوتوں اور
ہتھیاروں سے زدوکوب کیا اور جیل میں
ڈال دیا۔

کیا دشمنان خدا و رسول اسرائیل اور امریکہ
کے خلاف ان لوگوں کا آواز لگانا کوئی
جرم تھا؟ میں نہیں جانتا کہ آیا آپ کے
ملک اور بالخصوص حرمین شریفین میں پیش
آنے والے واقعات کی صحیح صحیح رپورٹ
آپ تک پہونچی ہے یا ہر جگہ لگائے جانے
والے ایرانی نعروں کے سلسلہ میں جو غلط
سلط رپورٹیں آپ تک پہونچی ہیں آپ نے
انھیں پر اعتماد کیا ہے؟

میں نہیں سمجھ سکا کہ علماء حرمین شریفین

وانه يمهد عمدا او جهلا او
غفلة تسلط الاجانب على اقاليم
المسلمين بما فيها الحرمان الشريفان
مهبط الوحي وملائكة الرحمن ،
لووعت حكومة الحجاز فريضة
الحج وادركت ابعادها العبادية
والسياسية وثقل ملايين المسلمين
المشاركين فيها ، لما احتاجت لا
الى امريكا وطائرات اواكس ولا
الى سائر القوى الكبرى ولا مكن
حل مشاكل المسلمين ۔

نحن نعلم ان امريكا وضعت
هذه الطائرات تحت تصرف السعودية
خدمة لمصالحها ومصالح اسرائيل۔
وقد لمسنا ذلك عند ما ادعت
طائرات الاواكس كذبا "بانها سجلت
قصفا" ايرانيا لمنشآت النفط الكويتية
لتبث الفرقة بين ايران واشقائها
العرب ۔ ان ما يوسف عليه هو تفشي
التغافل بين حكومات المسلمين
لتفشيا تساعد القوى الكبرى المجرمة
على اقصاء المسلمين من المسرح
السياسي والاهتمام بامور المسلمين۔

نے اسلام اور حج جیسی عبادت کو کیسے
سمجھ رکھا ہے جس کے روئیں روئیں میں سیاست
رچی بسی ہے حالانکہ اسلام آیا ہی اس
لیے تھا کہ وہ عدل و انصاف قائم کرے،
ظلم و زیادتی کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدے۔
تمام انبیاء کرامؑ اور بالخصوص نبی آخر الزماں
حضرت محمدؐ مصطفیٰ کا یہی مشن تھا۔

علماء حرمین اس بارے میں کیا سمجھ رہے
ہیں جو وہ حجاج پر سیاست میں حصہ لینے
سے متعلق پابندی اسلام کا نام لے کر عائد
کر رہے ہیں یہانتک کہ اسرائیل اور امریکہ
کے خلاف آواز لگانا بھی ممنوع قرار
دے رہے ہیں؟ یہ رویہ منہج نبوت و صدر
اول کے مسلمانوں کے طرز عمل دونوں سے
متعارض ہے اور یہ طرز عمل شعوری یا غیر
شعوری طور پر غیروں کے لیے اسلامی
سلطنتوں پر، جن میں حرمین داخل ہیں
جو وحی و ملائکہ کے نزول کا مرکز ہیں، تسلط
کی راہ ہموار کر رہا ہے۔

حکومت حجاز اگر حج کی حقیقت کو سمجھ
لے اور اس کے سیاسی اور عبادتی دوررس
مقاصد سے آشنا ہو جائے اور اس میں
شرکت کرنے والے لاکھوں افراد کی طاقت

حتی بات وعاظ السلاطین یفتون
بتجریم المسلمین وهم فی مرکز
السیاسة الاسلامیة لانهم رفعوا
صوتهم بالموت لاعداء القرآن
الکریم والاسلام العزیز الا
لداء، فذاقوا التعذیب والسجن
هل علمتم هذه الفواجع الجارمیة
فی الحرمین الشریفین ربیت الله
الامین ومقام رسوله الکریم (ص)
اوما زلتم تتلقون الحقائق مخلوطة
مشوهة؟ لقد ثرنا ـ کما یتجلی فی
شعارات الایرانیین ـ متکلین علی
الله القادر المتعال، لنشد الصف
الاسلامی تحت لواء التوحید
والالتزام باحکام الاسلام السامیة
حتی نکف ایدی القوی الکبری عن
اقطار المسلمین، ونمحو تسلط
الکفار الظلمة علی الشعوب الاسلامیة
لنعید مجد الامة کما کان فی صدر
الاسلام ـ والامل فی ان تتجاوب
الدول الاسلامیة معنا خصوصا
العربیة السعودیة الواقعة فی مرکز
السیاسة الاسلامیة لتنهل کل من

اور وزن کا اندازہ کرلے تو پھر اسے امریکہ کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہ رہے نہ اواکس طیاروں کی حاجت اور نہ بڑی طاقتوں کا سہارا تلاش کرنے کی فکر رہے بلکہ مسلمانوں کے سارے مسائل کا حل ممکن ہو جائے۔

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ امریکہ نے اپنے اور اسرائیل کے مفاد کے پیش نظر ہی اپنے کچھ جہاز سعودی حکومت کے استعمال میں دے رکھے ہیں یہ بات ہم نے اسی وقت محسوس کر لی تھی جب کہ اواکس طیاروں نے ایران اور اس کے عرب دوستوں کے درمیان تفرقہ اندازی کی غرض سے یہ جھوٹا دعویٰ کیا تھا کہ اس کے راڈار نے کویت کے تیل کے چشموں پر ایرانی بمباری ریکارڈ کی ہے۔

افسوس اس پر ہوتا ہے کہ اسلامی سلطنتیں تجاہل اور بے خبری کا اس درجہ شکار ہیں کہ دیگر بڑی اسلام دشمن طاقتوں کو مسلمانوں کو سیاسی اسٹیج سے اور خود اپنے معاملات کی فکر سے دور رکھنے کے لیے سب کچھ کرنے کا موقع ملا ہوا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہماری

هذه الدول من تائيد شعوبها لا محدود لها، وتنعم بهذه البركة السماوية الكبيرة، كالحكومة الشعبية في ايران و ليتواخى الجميع فيما بينهم ويشتد واعلى الكفار والطامعين الدوليين اخيرًا أؤكد ان تقارير كاذبة مشوهة بلغتكم، كما يظهر من رسالتكم، فقد ورد في تجريبكم الحجاج الايرانيين ان شعاراتهم اثارت استياء حجاج بيت الله الحرام، ولو كان لكم اناس امناء في كتابة هذه التقارير، لتبين لكم ان ما اثار استياء الحجاج ليس هو الشعار الذي رفع في معاداة اسرائيل و امريكا، وانما الذي اثار استياء الحجاج و سخطهم هو عدوان المسؤولين السعوديين على ضيوف الرحمٰن و زائري ضريح رسول الله (ص) واحتجازهم بسبب هتافهم بالموت لاسرائيل و امريكا ادعوالله العلى القدير ان يوقظ المسلمين من غفلتهم ويزيل

علما، خود اسلامی سیاست کے مرکز کے اندر مسلمانوں کو اس بنا، پر مجرم ٹھہرا رہے ہیں کہ انھوں نے دشمنان اسلام کے خلاف مردہ باد کا نعرہ لگایا تھا، اسی بات پر انھیں جیل کی سزا دیدی گئی اور ستایا بھی گیا، حرمین شریفین (بیت اللہ الامین اور مقام رسول کریم) میں واقع ہونے والے یہ المناک واقعات آپ کے علم میں آئے کبھی ؟ یا ابھی تک غلط سلط باتیں آپ تک پہنچتی رہی ہیں۔

جیسا کہ ہمارے نعروں سے صاف ظاہر ہے محض قادر مطلق پر اعتماد کرتے ہوئے ہم نے انقلاب برپا کیا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ ہم پھر سے ایک مرتبہ عَلَمِ توحید کے نیچے اکٹھا ہو جائیں۔ اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تاکہ مسلم ممالک پر سے بڑی طاقتوں کا تسلط ہم ختم کر سکیں اور مسلمان عوام پر ظالم کافروں کے ظلم و ستم کا سلسلہ بند ہو۔ اور امت کی اُس عظمت رفتہ کو پھر سے واپس لایا جائے جو صدر اسلام میں اسے حاصل تھی۔ ہمیں امید ہے کہ اسلامی حکومتیں ہمارے ساتھ پورا تعاون کریں گی، بالخصوص حکومت

عظمة الاسلام وعزته ويهدي المسلمين ولاسيما رجال الدولة لما فيه صلاح الاسلام والمسلمين -
والسلام عليكم وعلى جميع المسلمين
روح الله الموسوي الخميني
۱۲ ذي الحجة سنة ۱۴۰۱
المصادف ۱۱/۱۰/۱۹۸۱ء

حجاز جو اسلامی سیاست کے مرکز میں واقع ہے، تاکہ ہر حکومت کو اس کے عوام کی بھرپور تائید حاصل ہو سکے اور وہ بھی ایران کی جمہوری حکومت کی طرح آسمانی برکات سے بہرہ ور ہو اور سب باہم اتحاد و تعاون کے رشتہ میں مربوط ہوں اور کافروں اور بین الاقوامی بدنیتوں کے مقابلہ سخت رویہ اختیار کریں۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ جیسا کہ آپ کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے آپ تک جو رپورٹ پہونچی وہ نہایت غلط اور بے بنیاد ہے۔ چنانچہ آپ کے اس بیان میں جس میں آپ نے ایرانی حجاج کو مجرم ٹھہرایا ہے یہ ذکر ہے کہ ان کے نعروں سے دنیائے اسلام کے تمام حجاج کو سخت ناگواری ہوئی اگر آپ کے پاس رپورٹنگ کرنے والے کچھ امانت دار اشخاص موجود ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ حجاج میں ناگواری پیدا کرنے کا سبب وہ نعرے نہیں تھے جو اسرائیل و امریکہ کے خلاف بلند کیے گئے تھے بلکہ ان کی برانگیختگی کا سبب اللہ کے مہمانوں اور روضۂ اطہر کی زیارت کرنے والوں پر سعودی ذمہ داروں کی ظلم و زیادتی اور اسرائیل و امریکہ کی مرگ کا نعرہ لگانے پر اُن کی گرفتاری تھی۔

خدائے قدیر و برتر سے دعا گو ہوں کہ وہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرے، اسلام کی عظمت و حرمت میں روز افزوں اضافہ فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اور بالخصوص سربراہان حکومت کو وہ راہ دکھائے جو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں باعث خیر ہو۔

والسلام علیکم وعلیٰ جمیع المسلمین
روح اللہ الموسوی الخمینی
۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۱ھ
۱۱/۱۰/۱۹۸۱ء

تبصرہ:۔

شاہ خالد مرحوم اور امام خمینی کے دونوں خط مع ترجمہ قارئین کے سامنے ہیں۔
یہ خود ایرانی حکومت کے ادارہ "جہاد سازندگی" کے شائع کردہ ہیں اور اسی کے پمفلٹ سے ہم نے نقل کیے ہیں۔ ان خطوط میں وہ حقیقت صاف صاف بچشم خود دیکھی جا سکتی ہے جس کا اظہار مضمون میں ان خطوط کے تذکرہ کے ساتھ ان کے مضمون اور مدعا کے بارے میں کیا گیا ہے۔ شاہ خالد کے خط میں ایک سیدھی سادی گزارش ہے کہ ایرانی حجاج کی نعرہ بازی اور جلوس آرائی احترام وادب بیت اللہ کے خلاف ہے اس لیے آئندہ ان کو اس سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی جانی چاہیے جیسا کہ آپ سے امید ہے ——
خمینی صاحب کا جواب بتلاتا ہے کہ وہ شاہ خالد کے اس موقف سے اتفاق نہیں فرماتے۔ لیکن وہ صاف صاف ایک جگہ بھی یہ نہیں کہتے کہ یہ خلافِ ادب نہیں ہے حالانکہ یہی وہ واحد بات تھی جس پر انھیں صاف صاف اظہار خیال کرنا چاہیے تھا۔ اس کے بجائے وہ جواب یوں دیتے ہیں کہ اسلام تو عبادت اور سیاست دونوں کا جامع ہے اور حرمین شریفین عہد رسالت اور پھر مابعد رسالت کے دور میں بھی ایک عرصہ تک اسلامی سیاست کا مرکز رہے ہیں، پھر کیونکر سعودی حکومت اور اس کے علما، ایرانی حجاج کی وہاں سیاسی نعرہ بازیوں پر معترض ہوتے ہیں؟

یہ ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کلمۃ حق اُرید بہا الباطل کے مطابق ایک صحیح بات سے غلط کام لینے کی کوشش ہے۔ کیونکہ بات اسلام میں سیاست شامل ہونے نہ ہونے کی نہیں ہے بلکہ حج کا احرام باندھ کر بیت اللہ اور حرمین میں سیاسی نعرہ بازی کی ہے۔

خمینی صاحب نے ایک جگہ اسلام میں سیاست کی اہمیت ظاہر کرتے ہوئے حج کا لفظ بھی اسلام کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ مگر اس موقع کے لحاظ سے یہ واقع میں ایک زبردستی کی بے جوڑ بات تو ہے ہی، اس کا بے جوڑ اور زبردستی اور مغالطہ آمیزی کی بات

ہونا صاف ظاہر بھی ہو رہا ہے۔ اور مزید برآں جب خمینی صاحب اسلامی تعلیمات کی خود دو قسمیں قرار دے رہے ہیں۔ عبادتی اور سیاسی، تب اگر کوئی شخص حج کو خالص عبادتی عمل کہتا ہے تو انھیں اس گفتگو میں اس تقسیم کا ذکر لاتے ہوئے خود بتانا لازم تھا کہ وہ حج کو عبادتی قسم میں سے سمجھتے ہیں یا سیاسی؟ مگر وہ یہ نہیں کرتے اور اس طرح یہ سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں کہ اُن کا مقصد مسئلہ کو واضح کرنا نہیں بلکہ محض عام لوگوں کو حج کے سیاست سے تعلق کا مغالطہ دینا ہے۔

ہم نے کہا تھا کہ خمینی صاحب کے خط کی نوعیت ایک پروپیگنڈائی تحریر کی ہے۔ چنانچہ دیکھ لیا جائے کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق اور بڑی طاقتوں کے تسلط سے آزادی پر جو زبردست تقریر خط میں رقم ہوئی ہے اُس کا کیا جوڑ شاہ خالد کے اُٹھائے ہوئے مسئلے سے ہے؟ علیٰ ہذا شاہ خالد نے مطلق نعرہ بازی پر اور خاص طور سے اللہ اکبر اور اللہ واحد کے ساتھ خمینی صاحب کے نام کے نعروں پر اعتراض کیا ہے۔ مگر یہاں اس خاص نعرے سے قطعاً چشم پوشی کر کے نعروں کے سلسلے میں تمام تر بات امریکہ اور اسرائیل کے خلاف نعروں کی کی گئی ہے۔ کیونکہ اس معاملے میں بہت سے جذباتی مسلمانوں کی حمایت اس صورت حال کے باوجود بھی حاصل کی جا سکتی ہے کہ یہ نعرے حرم کے اندر اور حج کے موقع پر تھے، جو کہ یقیناً بیت اللہ کی بے ادبی اور روحِ حج کے منافی ہے۔ اسی طرح ایک مسئلہ بالکل ہی بے تکے طور پر اس بحث میں امریکن اواکس طیاروں کا اُٹھا دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بلاشبہ سعودی حکومت کی ایک کمزوری ہے، اور اُسے ایک حربے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی طرح دونوں خطوں کے لب و لہجہ کا فرق بھی صاف ظاہر ہے۔

اور اب آخر میں ایک وہ بات جس کی طرف اشارے کا موقع مضمون میں نہیں تھا۔ وہ یہ کہ خمینی صاحب نے اس سے انکار نہیں کیا ہے کہ ایرانیوں نے جو نعرے لگائے اُن میں خمینی صاحب کا نعرہ بھی تھا۔ البتہ شاہ خالد کے خط میں یہ نعرہ جس طرح نقل کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ ایرانیوں کے اس نعرے میں "خمینی واحد" نہیں "خمینی قائد" ہے۔ دونوں

لفظوں کی آواز کے قرب اور تشابہ کی وجہ سے سعودی عرب کے رپورٹروں کو غالباً غلط فہمی ہوئی۔ اور کچھ بدگمانی کا بھی دخل اس غلط فہمی کا شکار ہونے میں ہو سکتا ہے۔ بہرحال "خمینی واحد" یا "خمینی قائد" کے نعرے "اللہ واحد" کے ساتھ ایرانی حجاج نے بیت اللہ میں بلند کیے۔ اور یہ تاریخ اسلام میں شاید تنہا خمینی صاحب ہی کو جرأت ہو سکی ہے کہ وہ اسلام کے علمبردار ہوتے ہوئے اللہ کے بیتِ مقدس میں اللہ کی عظمت و وحدانیت کے ساتھ ساتھ اپنی عظمت کے بھی نعرے بلند کروائیں ورنہ کون خدا فراموش مسلمان حکمراں یا قائد بھی اس بات کو سوچ سکتا ہے کہ وہ اللہ کے تختِ جلالت کے روبرو اپنی عظمت کا بھی اظہار کرائے؟ ہمارا خیال ہے کہ خمینی صاحب کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے ان کا اسلام کیا ہے اور وہ عالم اسلام کو کیا دے سکتے ہیں؟ تنہا یہی ایک بات بالکل کافی ہے۔ کسی بھی دوسری بات کی اس کے بعد ضرورت نہیں! ——— اور اگر اس پر اتنی بات کا اور اضافہ کر لیا جائے کہ یہ صرف نعرہ بازی ہی نہیں تھی بلکہ، جیسا کہ ایرانی اخبارات میں ان نعرہ باز لوگوں کی اُس موقع کی تصویریں شائع ہوئی ہیں، اور جو ایرانیوں کا عام دستور بھی ہے، یہ خمینی صاحب کی تصویریں بھی اُٹھائے ہوئے تھے، تب تو خمینی صاحب اور اُن کے حجاج کی جرأت کا واقعی پیمانہ ظاہر کرنے کے لیے الفاظ ہاتھ نہیں آسکتے۔

افسوس، صد افسوس کہ خمینی صاحب اس بے مثال بے ادبی کا ارتکاب اپنے حجاج سے کراتے ہوئے حج کی صحیح حقیقت دوسروں کو بتا سکنے کا زعم بھی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ع

دا ئے گر بس امروز بود فردا ئے

انقلابِ ایران اور اُس کی اسلامیت

ایک سفرِ خیال کی سرگزشت

از:- مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

ایران کے اسلامی انقلاب نے گزشتہ ۸ سال سے پوری دنیا کی توجہ اپنی طرف مرکوز کر رکھی ہے مختلف پہلوؤں سے ہر طبقے کے لوگ اس کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے رہے ہیں۔ مصنف نے اس کتاب میں انقلابِ ایران کی اسلامیت کا جائزہ لیا ہے اور مکمل غیر جانبداری اور توازن کے ساتھ اس کے ان پہلوؤں کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے بہت سے اسلام پسندوں کو اس کے ساتھ ہمدردی ہوئی، اور ان گوشوں کی بھی نشاندہی کی ہے جو سفرِ ایران کے موقع پر خود اُن کے مشاہدہ میں آئے اور جن کو پیشِ نظر رکھے بغیر انقلاب ایران کی اسلامیت کے بارے میں صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔

انقلابِ ایران کے بارے میں جو لوگ سنجیدگی، اعتدال اور غیر جانبداری کے ساتھ معلومات حاصل کرنے کے مشتاق ہیں، یہ کتاب انشاء اللہ ان کے لیے بہترین رہنما ثابت ہوگی۔

سنجیدہ شگفتہ اور متوازن اندازِ تحریر کا ایک کامیاب نمونہ۔ ذاتی مشاہدات اور براہِ راست معلومات پر مبنی خیالات کا مرقع۔ انقلاب ایران کی اسلامیت کے مثبت و منفی پہلوؤں کا جامع اور تشفی بخش تجزیہ۔

خوشنما کتابت، آفسیٹ کی بہترین طباعت، دیدہ زیب ٹائٹل، قیمت -/

۲۲۶۰۱۸

الفرقان بکڈپو۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ